دعوتِ دین

دعوتِ دین

مسلمانوں کے مسائل کا واحد حل

"دعوتِ دین کی اہمیت ، فرضیت ، اس کے فضائل و منافع ، خاص کر ہندوستانی مسلمانوں کے لئے

دعوت کے فوائد اور فقہی پہلو سے دین میں دعوت کا مقام نیز دعوتِ دین کے لئے موجودہ زمانہ میں

اہم وسائل پر بصیرت افروز و مدلل گفتگو اور مسلمانانِ ہند کے لئے ایک رہنما تحریر"

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ناشر

سنٹر فار پیس اینڈ ٹرو میسیج ، چادر گھاٹ ، حیدرآباد(انڈیا(

طبع اول ۱٤۳۰ھ ۔ ۲۰۰۹ئ

نام کتاب　:　دعوتِ دین ۔ مسلمانوں کے مسائل کا واحد حل

مصنف :　مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

صفحات :　٦٤

کمپیوٹر کتابت　:　محمد نصیر عالم سنبھلی (العالم اُردو کمپیوٹر سنٹر ، حیدرآباد(

فون نمبر : 9959897621, 9396518670

قیمت :

ناشر

سنٹر فار پیس اینڈ ٹرو میسیج ، چادر گھاٹ ، حیدرآباد (انڈیا(

ملنے کے پتے

* المعہد العالی الاسلامی تعلیم آباد ، قبا کالونی ، شاہین نگر ، حیدرآباد

* سنٹر فار پیس اینڈ ٹرو میسیج ، چادر گھاٹ ، حیدرآباد

* کتب خانہ نعیمیہ دیوبند ، سہارنپور (یوپی(

* دکن ٹریڈرس ، مغلپورہ ، نزد پانی کی ٹنکی ، حیدرآباد

* ہندوستان ایمپوریم ، مچھلی کمان ، حیدرآباد

فہرست مضامین

☆☆☆☆

عرضِ ناشر

اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اپنے آخری رسول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں پیدا فرمایا اور اپنی ہدایت سے نوازا اور یہ بھی اس کا کرم ہے کہ اس نے ہمیں ہندوستان جیسے عظیم اور تاریخی ورثہ کے حامل ملک میں بسایا؛ کیوں کہ دعوت کا آغاز ہندوستان سے ہوا اور یہ اپنی آخری و مکمل صورت میں حجاز مقدس میں اُتارا گیا، گویا ان دونوں علاقوں کو اسلام اور دین قیم سے ایک نسبت حاصل ہے، ہندوستان اگر اس کا مبداء ہے تو حجاز مقدس اس کا منتہی؛ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت آدم ں جنت سے زمین پر اُتارے گئے، ویدوں میں بھی حضرت آدم و حوا کا ذکر ملتا ہے۔

مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ سے اس ملک میں مقیم ہونے کے باوجود ہم نے اس سرزمین کے باشندوں تک اللہ کے دین کو پہنچانے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی اور گویا ہم ان کے ساتھ حق تلفی کے مرتکب ہوئے ، اللہ کا شکر ہے کہ کچھ عرصہ سے اس سلسلہ میں تھوڑی بہت کوشش شروع ہوئی ہے ، اسی کا ایک حصہ " سنٹر فار پیس اینڈ ٹرو میسیج ، حیدرآباد ہے " اس سنٹر کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک ممتاز عالم دین اور فقیہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ کی سرپرستی میں قائم ہے اور اس کی ساری جدوجہد علماء کرام کے زیر سایہ انجام پاتی ، اس لئے اُمید ہے کہ انشاء اللہ یہ ادارہ صراط مستقیم سے کبھی منحرف نہیں ہوگا۔

چوں کہ غیر مسلم بھائیوں میں دعوت کے کام کی طرف طویل عرصہ سے ہم غافل رہے ، دوسری طرف مسلمانوں کے خلاف عالمی سطح پر یہودی و عیسائی طاقتوں کے معاندانہ رویہ اور خود ہندوستان میں فرقہ پرست طاقتوں کی زیادتیوں کی وجہ سے ان کے بارے میں مسلمانوں کے اندر بھی نفرت

کے جذبات پرورش پانے لگے ، حالاں کہ داعی کے لئے ضروری ہے کہ اس کا دل مدعو کی محبت سے معمور ہو ، اس لئے ایک ایسی کتاب کی ضرورت محسوس کی جاتی تھی ، جو علمی طورپر دعوت کی اہمیت کو اُجاگر کرتی اور اس سلسلہ میں شکوک وشبہات کو دور کرتی ہو ـــ بحمد اللہ مولانا رحمانی مدظلہ نے اس کی طرف توجہ فرمائی اور دعوت کی اہمیت اور اس کے فوائد کی وضاحت ، نیز اس سلسلہ میں شکوک و شبہات کے ازالہ کے لئے یہ کتاب تالیف کی ، جویوں تو سبھوں کے لئے مفید ہے ، مگر خاص کر علماء اور خواص کو انشاء اللہ اس سے بڑا فائدہ پہنچے گا۔

ہم اس سلسلہ میں مولانا محترم کا بہت بہت شکریہ ادا کرتے اور سنٹر کی طرف سے اس کی اشاعت اجازت دینے پر بھی ممنون ، دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اُمت پر تادیر مولانا محترم کا سایہ قائم رکھے اور اس کتاب سے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ نفع پہنچے ، آمین یا رب العالمین۔

ڈاکٹر سید عبد الرشید (نائب صدر سنٹر)

☆☆☆☆

پیش لفظ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ امابعد!

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَّسَطاً لِّتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيداً۔ (البقرۃ: ۱۴۳)

اور اس طرح ہم نے تم مسلمانوں کو ایک اُمت وسط بنایا ؛ تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔

یہ آیت دراصل اُمت ِ محمدیہ کی امامت کا اعلان ہے ؛ کہ اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو ہدایت سے نوازا ہے اور اسے سیدھی راہ عطا کی گئی ہے ؛ اسی لئے اس کو اُمت ِسط قرار دیا گیا ہے ؛ چنانچہ روزِ محشر رسولِ اکرم ا گواہی دیں گے کہ آپ نے توحید و رسالت اور آخرت کاپیغام اورعمل ِ صالح کا نمونہ بہ حیثیت پیغمبر بے کم و کاست اُمت کو پہنچا دیا ہے اور عملاً اسے نافذ بھی کردیا ہے ، حجۃ الوداع میں آپ نے واضح طورپر اُمت سے اس کی گواہی لی اور ان سے عہد لیا کہ وہ اسے دوسروں

تک پہنچاتے ر گے ؛ چوں کہ آپ اخاتم النبیین اور نبوت کا سلسلہ آپ پر ختم ہوچکا ہے ؛

اس لئے دعوتِ دین کی یہ ذمہ داری اللہ کی طرف سے اُمت مسلمہ پر عائد کی گئی ہے اور اسے

قیامت میں اس بات کی گواہی دینی پڑے گی کہ اس نے یہ دعوت اللہ کے دوسرے بندوں تک

پہنچادی ہے " وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا" (البقرۃ :

۱۴۳) __ غرض کہ اُمت کو امامت کے جس مقام پر سرفراز کیا گیا ہے ، وہ اس کے لئے اعزاز

بھی ہے اور ذمہ داری بھی ، اوراگر اس نے اس میں کوتاہی سے کام لیا ، تو وہ عند اللہ جواب دِہ

بھی ہوگی۔

محترم مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ نے مسلمانوں کی اس اہم ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے

" سنٹر فار پیس اینڈ ٹرو میسیج ، حیدرآباد " کو قائم کیا اور اس کی سرپرستی قبول فرمائی ، اس راستہ پر

کام کرنے کے لئے لٹریچر اور مشوروں کی ضرورت ہے ، ہندوستان میں موجودہ مختلف زبانوں اور

تہذیبوں کا مطالعہ ضروری ہے ، افراد کی تیاری اور دعوتی کام کے لئے ذہنوں کی تربیت سب سے بڑا چیلنج ہے ، طبقاتی نظام میں منقسم یہ سماج مسلمانوں کا ایسا کردار اور رویہ دیکھنا چاہتا ہے ، جو ان کے لئے بہترین نمونہ بن سکے ، اس لئے ضروری تھا کہ ایسے تمام نکات وعناوین کو جمع کیا جائے ، جو مسلمانوں کے ذہنوں میں دعوت کے کام کی اہمیت کو اُجاگر کرسکیں اور ان تمام عام و خاص سوالات کا جواب دے سکیں جو داعی اور مدعو کے دل میں چبھنے والے شکوک و شبہات کے کانٹوں کو نکال سکیں ، واقعہ ہے کہ مولانا کی یہ کتاب اختصار کے باوجود اس مقصد کو پورا کرنے کی نہایت اہم اور کامیاب کوشش ہے!

دعوتِ دین کا وجوب اور اُمت پر اس کا فرض ہونا اللہ تعالیٰ کے رحمان و رحیم ہونے اوررسول اللہ ا کے خاتم النبیین ہونے کا لازمی تقاضہ ہے ، اللہ کی رحمت کا تقاضہ ہے کہ انسان کے لئے آخرت کی نجات کی صورت پیدا ہو اور حضور ا پر ختم نبوت کا تقاضہ ہے کہ جو گروہ آپ کے پیغام کا

حامل ہے ، وہ اب فلاح و نجات کے راستہ کی رہنمائی کرے ، مولانا محترم نے اس حقیقت کو واضح

کرتے ہوئے بتایا ہے کہ فریضۂ دعوت سے غفلت کی وجہ سے دعائیں رد کردی جاتی اور مومن

اللہ کی مدد سے محروم ہوجاتا ہے ، آپ نے دعوت کے فرضِ عین یا فرضِ کفایہ ہونے پر فقیہانہ

بحث کرتے ہوئے ایک مدلل موقف اختیار کیا ہے ، آپ فرماتے : " فرضِ کفایہ ہونے کا

مقصد یہ ہے کہ اس کام میں اتنے لوگ لگ جائیں ، جو اس کے نتیجہ خیز ہونے کے لئے کافی ہوں

" ٹکنالوجی کی ترقی کے اس دور میں یقینا اُمتِ مسلمہ کے لئے یہ ایک دعوتِ فکر ہے !

مولانا نے خاص طورپر غیر مسلم ممالک میں دعوتِ دین کی اہمیت و ضرورت پر بڑی ہی عالمانہ اور

چشم کشا گفتگو کی ہے ، جس میں اسلامی تعلیمات کی بہترین ترجمانی بھی ہے اوراعتدال و توازن بھی

، آپ نے واضح کیا ہے کہ جمہوری ممالک میں عام طورپر جہاد اورہجرت کی شرطیں نہیں پائی جاتیں

؛ لہٰذا مسلمان اقلیتوں کے لئے صرف دعوت کا راستہ رہ جاتا ہے اوریہی اصل مقصود ہے ، آپ نے

یہ بھی واضح کردیا ہے کہ اگر دشمن مسلمانوں کی جان و مال ، عزت و آبرو پر حملہ آور ہوں ، تو پھر دفاع ہر مسلمان کا فرئضہ بن جاتا ہے۔

آپ نے غلط فہمیوں کا ازالہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اصلی دعوت ایمان کی ہے نہ کہ فروعی و اختلافی مسائل کی ، اور دعوت کے اصل مخاطب کفار نہ کہ مسلمان ، تاہم مسلمانوں میں بھی دعوت و اصلاح کے کام کی اہمیت ضرور ہے ، آپ نے دعوت کے طریقہ ٔ کار کو بھی واضح فرمایا ہے ، جو اس راہ کے مسافروں کے لئے بہترین زادِ راہ ہے ، اس میں دعوتی تربیت ، دعوتی لٹریچر کی تیاری ، الکٹرانک میڈیا کا استعمال ، خدمت ِخلق اورغیر مسلم برادرانِ وطن سے بہترین تعلقات کو فروغ دینا شامل ہے۔

میں اپنی بے بضاعتی اور علم و عمل کی کوتاہی سے اچھی طرح واقف ہوں ؛ مگر جب مولانا محترم نے بذاتِ خود اس کتاب پر پیش لفظ لکھنے کا حکم فرمایا تو تعمیل حکم کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں رہا ،

یہ اس حقیر کے لئے ایک بہت بڑی آزمائش تھی ، مولانا کی کتاب اللہ ، سنتِ رسول اورفقہ اسلامی پر مبنی مدلل بحث پر تبصرہ کرنے کی جسارت یہ احقر کہاں سے لاتا ، ہاں ! اسے سمجھنے کی کوشش ضرور کی ہے ، غیر مسلموں میں دعوت کو لے کر جو سوالات مسلمانوں کے ذہنوں میں اُٹھتے ، ان کے جوابات کی تلاش ایک عرصہ سے تھی ، انشاء اللہ اس کمی کو یہ کتاب اچھی طرح پوری کرے گی ، ــ " سنٹر فار پیس اینڈ ٹرو میسیج ، حیدرآباد " کے تحت اس کتاب کی اشاعت یقینا اس کے مقصد کو تقویت پہنچائے گی اور خاص کر اہل علم اور مخلصین کے دلوں میں شکوک و شبہات کے کچھ کانٹے چبھتے ہوں تو ان کے لئے یہ بہت مفید اور چشم کشا ثابت ہوگی ، انشاء اللہ۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ مولانا کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور ' سنٹر فار پیس اینڈ ٹرو میسیج ' کی مدد کرے کہ وہ اس اہم کام کو انجام دے سکے اور اس کے خدام عند اللہ اجر کے مستحق ہوں ، آمین۔وما توفیقی الا باللہ۔

احقر

۱۶ صفر ۱۴۳۰ھ　　　　اقبال احمد انجینئر

۱۲ فروری ۲۰۰۹ء　　　　(صدر سنٹر فار پیس اینڈ ٹرو میسیج(

☆☆☆☆

حرف چند

اس وقت پوری دنیا میں مسلمان نہایت تکلیف دہ حالات سے گذرہے ، خونِ مسلم کی ارزانی ہر صاحب ایمان کو خون کے آنسو رلاتی اور تڑپاتی ہے ، دعاؤں کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے ، ایک طبقہ اپنی طاقت بھر دشمنانِ اسلام سے مزاحمت میں بھی جان و مال کی بازی لگائے ہوا ہے ؛لیکن اس کے باوجود حالات میں کوئی نمایاں تبدیلی نظر نہیں آتی اوراُمت ِمسلمہ کی مظلومیت کی شب تاریک دراز سے دراز تر ہوتی جارہی ہے ، اس کے کیا اسباب ؟ اس پر سیاسی ، فوجی ، معاشی اور سماجی پہلوؤں سے عصر حاضر کے علماء ، دانشور مسلسل غور بھی کررہے اور اظہار خیال بھی۔

لیکن بحیثیت مسلمان کوئی بھی مسئلہ ہو ، ضروری ہے کہ ہم اس پر کتاب و سنت کی روشنی میں غور کریں اور اللہ اور اس کے رسول کی ہدایات کو سامنے رکھتے ہوئے اپنا محاسبہ کریں ؛ کیوں‌کہ ہم خدا کے غیبی نظام پر ایمان رکھتے اور اللہ تعالیٰ کے غیبی نظام کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ جیسے خدا نے

حیوانات اور نباتات و جمادات میں تاثیر رکھی ہے ، مختلف جانوروں کے گوشت کے الگ الگ اثرات ہوتے ، مختلف نباتات انسان میں الگ الگ نوع کی کیفیت پیدا کرتے ، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کے اعمال میں بھی تاثیر رکھی ہے ، نماز کی اپنی تاثیر ہے ، روزہ کا اپنا اثر ہے ، وغیر ذالک ، اسی طرح دعوت الی اللہ کا اثر " عصمت من الناس" (مائدۃ : ٦٧) یعنی " لوگوں سے تحفظ " کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے ، اس لئے جب تک یہ اُمت اللہ کے بندوں تک اللہ کے دین کو پہنچانے کی ویسی ہی بلیغ کوشش نہیں کرے گی ، جو اپنے اپنے عہد میں اللہ کے پیغمبروں نے کیا ہے ، تب تک وہ اس محرومی و مقہوری سے باہر نہیں آسکے گی ، جس سے اس وقت دوچار ہے۔

دعوتِ دین سے متعلق اس مختصر تحریر میں اسی پہلو کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے ، اس تحریر کا محرک یہ ہوا کہ " رابطہ عالم اسلامی " نے اپنے زیر اہتمام منعقدہ نویں مکہ کانفرنس مؤرخہ : ٢ تا ٤ ذوالحجہ ١٤٢٩ھ مطابق ١تا ٣ ڈسمبر ٢٠٠٨ء بمقام رابطہ بلڈنگ مکہ مکرمہ میں اس حقیر کو

شرکت کرنے اور " دعوتِ دین کی اہمیت وضرورت " پر مقالہ لکھنے کی دعوت دی ، اس پوری کانفرنس کا موضوع " التعریف بالاسلام والاقلیات المسلمۃ ... الواقع والمامول" تھا ، چنانچہ راقم الحروف نے کانفرنس کے پہلے جلاس منعقدہ مؤرخہ : ۳ ذوالحجہ کو بعد نماز مغرب اپنا مقالہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ، معروف صاحب علم ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف اس اجلاس کی صدارت کررہے تھے ، رابطہ کے موجودہ جنرل سکریٹری ڈاکٹر عبد اللہ عبد المحسن الترکی بھی موجود تھے ، اتنا وقت تو نہیں تھا کہ پورا مقالہ پیش کیا جاتا ؛ لیکن اس کے منتخب حصے پڑھنے کا موقع ملا اور اللہ کا شکر ہے کہ ایک عجمی کی اس تحریر کو عرب علماء کے درمیان خاصی پذیرائی حاصل ہوئی ، صدر اجلاس نے بھی اپنے صدارتی کلمات میں بلند الفاظ میں اس کا ذکر کیا ، ڈاکٹر ترکی اور مختلف علماء نے بھی اسے ایک رہنما تحریر قرار دیا ، یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور موضوع کی اہمیت کا نتیجہ ہے۔

'سنٹر فار پیس اینڈ ٹرو میسیج ، حیدرآباد ' دعوتی مقصد ہی کے تحت قائم ہے ، سنٹر کے ذمہ داروں کی خواہش ہوئی کہ اسے کتابی شکل میں طبع کیا جائے ؛ چنانچہ اب یہ امانت قارئین کی نذر ہے ، اس کا عربی ترجمہ — جو کانفرنس میں پیش کیا گیا تھا ، — بھی المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد کے شعبہ ٔ دعوت کی جانب سے شائع ہوچکا ہے ، دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس تحریر کو قبول فرمائے اور اسے کچھ مسلمانوں کے سینوں میں آتش دِعوت سلگانے اور انھیں ان کے فریضۂ منصبی کی طرف متوجہ کرنے کا اپنے فضل و کرم سے ذریعہ بنادے۔

١٦صفر المظفر ١٤٣٠ھ خالد سیف اللہ رحمانی

١٢ فروری ٢٠٠٩ء

☆☆☆☆

س

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین ومن تبعہم بحسان لی یوم الدین۔

دعوت دین کی اہمیت و ضرورت اور اس سلسلے میں مسلمانوں کی ذمہ داری دو بنیادی عقیدوں سے متعلق ہے ، ان میں سے پہلی بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا سلسلہ مکمل ہوچکا ہے ، آپ ا کے بعد کسی قسم کی کوئی نبوت باقی نہیں رہی ؛ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ۔(۱)

محمد تم میں سے کسی مرد کے والد نہیں ؛ البتہ اللہ کے رسول اورنبیوں کے سلسلہ پر مہر لگانے (

یعنی ختم کرنے والے) ۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعدد ارشادات میں اس حقیقت کو واضح فرمایا ہے ، آپ

انے فرمایا :

انا آخر الانبیاء وانتم آخر الامم ومسجدی آخر المساجد۔(۲)

(۱) الاحزاب : ٤٠

(۲) سنن ابن ماجہ ، عن ابی امامۃ الباہلی ، کتاب الفتن ، باب فتنۃ الدجال وخروج عیسیٰ بن مریم

علیہ السلام ، حدیث نمبر : ٤٠٧٧

میں آخری نبی ہوں ، تم آخری اُمت ہو اور میری مسجد (کسی نبی سے نسبت رکھنے والی) آخری

مسجد ہے۔

اس مضمون کی احادیث اپنے مجموعہ کے اعتبار سے تو اتر معنوی کو پہنچتی ہے ؛ اسی لئے جو شخص آپ

کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے یا کسی مدعی نبوت کی تصدیق کرے ، اس کے کفر میں کسی شک کی

گنجائش نہیں ، ـــ عقیدہ ختم نبوت کے لوازم میں سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

نبوت قیامت تک کے لئے ہے اور پوری انسانیت آپ کے نبوت کے سایہ میں ہے ، قرآن مجید

نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے :

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔(۱)

آج میں نے تم پر تمہارا دین مکمل کردیا ، اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لئے بہ حیثیت دین

اسلام کو پسند کیا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بارے میں ارشاد ہے :

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ۔(۲)

اور ہم نے آپ کو پوری انسانیت کے لئے رسول بناکر بھیجا ہے۔

غرض کہ آپ ا کی نبوت کے دائرہ میں مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک پوری انسانیت

— بلا امتیاز رنگ و نسل وبلا فرق زبان و علاقہ اور بلا تفریق مکان وزمان — داخل ہے۔

دوسرا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات انسانیت کے لئے رحمن و رحیم ہے ؛ اس لئے جیسے

اس نے انسان کی دوسری ضروریات کا انتظام کیا ہے ، ویسے ہی انسان کی ہدایت اور اس کی ابدی

نجات کا بھی سروسامان فرمایا ہے ؛ چنانچہ اس نے انسانیت کی ہدایت کی غرض سے انبیاء کو بھیجا اور

ان کے ذریعہ اپنی کتابیں انسانیت کے لئے نازل فرمائیں ،

(۱) المائدۃ : ۳ (۲) السباء : ۲۸

جن میں سے ہر ایک اپنے اپنے وقت میں سرچشمہ ٔ ہدایت اور روشنی تھی ، چنانچہ تورات کے بارے میں فرمایا گیا :

اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرٰاۃَ فِیْھَا ھُدًی وَّنُوْرٌ۔(۱)

بے شک ہم نے تورات اُتاری ہے ، جس میں ہدایت اورروشنی ہے۔

اور قرآن مجید کے بارے میں ارشاد ہے کہ یہ حق کی تلاش کرنے والوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ ہے : " ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ" ۔(۲)

نیز دنیا میں وسائل ہدایت کا باقی رہنا اللہ تعالیٰ کے رب العالمین ہونے کا لازمی تقاضہ ہے ، جب انسانیت کے لئے ہدایت کی ضرورت قیامت تک باقی رہنے والی ہے اورنبوت کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام ہوچکا ہے ، تو سوال یہ ہے کہ انسانیت تک خدا کا پیغام ہدایت کیوں کر

پہنچے گا ؟ — قرآن مجید میں اس سوال کا جو جواب ملتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے لئے ایک طرف

قرآن مجید قیامت تک محفوظ رہے گا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت خود اپنے ذمہ رکھی ہے ، "اِنَّا

نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ" (۳) دوسری طرف جیسے انبیاء اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوا کرتے

تھے ، اسی طرح یہ اُمت پوری انسانیت کی طرف مبعوث کی گئی ہے :

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ۔(٤)

تم بہترین اُمت ہو ، جو لوگوں کے لئے بھیجے گئے ہو ؛ تاکہ بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو۔

قرآن مجید میں اس بات کو بار بار واضح کیا گیا ہے ، گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) المائدۃ : ٤٤ (۲) البقرۃ : ۲

(۳) الحجر : ۹ (٤) آلِ عمران : ۱۱۰

جس طرح اس اُمت کی طرف مبعوث فرمائے گئے ، اسی طرح یہ اُمت پوری انسانیت کی طرف مبعوث کی گئی ہے :

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔(۱)

اور اسی طرح ہم نے تم کو میانہ رو اُمت بنایا ہے ؛ تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ بنے۔

گذشتہ اُمتوں کے مقابلے اس اُمت کا امتیاز یہ ہے کہ پچھلی اُمتوں کی دعوت واصلاح کا کام ان کے انبیاء کی طرح خود ان کی قوم تک محدود تھا اور امت محمدیہ کی دعوت کا دائرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عالمگیر نبوی حیثیت کے پس منظر میں پوری انسانیت تک وسیع ہے ، جیسے انبیاء کے لئے دعوت ان کا بنیادی اور منصبی فرئضہ ہے ، اسی طرح اس اُمت کے لئے بھی دعوتِ دین بنیادی فرئضہ ہے۔

اگر کوئی مسلمان اسلام کے اقرار کے باوجود دعوتِ دین کی طرف سے بے توجہ ہے ، تو گویا وہ ایک طرح کے نفاق میں مبتلا ہے ؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

اَلْمُنَافِقُوْنَ وَالْمُنَافِقٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ ... وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۔(۲)

منافق مرد و عورت ایک دوسرے کے دوست ، جو برائی کا حکم دیتے اور نیکی سے منع کرتے اور مومن مرد و عورت ایک دوسرے کے دوست ، جو بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے منع کرتے ۔

(۱) البقرۃ : ۱۴۳ (۲) التوبہ : ۶۷، ۷۱

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے علامہ فخر الدین رازی (م : ٦٠٤ھ) فرماتے :

واعلم انہ تعالٰی لما وصف المومنین بکون بعضھم اولیاء بعض ذکر بعدہ ما یجری مجری التفسیر والشرح لہ ، فقال تعالٰی : یامرون بالمعروف وینہون عن المنکر ویقیمون الصلوٰۃ ویوتون الزکوٰۃ ویطیعون اللہ ورسولہ ، فذکر ہذہ الامور الخمسۃ التی بہا یتمیز المومن من المنافق۔(١)

جان لوکہ اللہ تعالٰی نے جب مومن کے ایک دوسرے کے دوست ہونے کی صفت بیان فرمائی تو اس کے بعد ایسی بات ذکر کی ، جو اس کی شرح و تفسیر کے درجہ میں ہے ؛ چنانچہ اللہ تعالٰی نے فرمایا : " وہ نیکی کا حکم دیتے ، برائی سے روکتے ، نماز قائم کرتے زکوٰۃ ادا کرتے اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے " غرض کہ ان پانچ باتوں کا ذکر فرمایا ، جن سے مسلمان اور منافق کے درمیان امتیاز قائم ہوتا ہے۔

نیز علامہ قرطبیؒ فرماتے :

فجعل تعالیٰ الامر بالمعروف والنہی عن المنکر فرقاً بین المومنین والمنافقین فدل علی ان اخص اوصاف

المومن الا مر بالمعرف والنہی عن المنکر۔(۲)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو مسلمانوں اور منافقین کے درمیان وجہِ امتیاز

قرار دیا ، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مومن کا اہم ترین وصف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

ہے۔

(۱) مفاتیح الغیب : ۹٤۸ (۲) تفسیر قرطبی : ٤۷٤

دعوت کا نفع جہاں ان لوگوں کو پہنچتا ہے ، جن کو دعوت دی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت

سے سرفراز فرماتے ، و اس کا نفع خود دعوت دینے والوں کے لئے بھی ہے ؛ یہاں تک کہ

مدعو دعوت کو قبول کرے یا نہیں کرے اور وہ قبول و اعتراف کا راستہ اختیار کرے یا جحود و انکار

کا ، داعی بہر حال فائدہ سے محروم نہیں ہوتا ؟ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ۔(۱)

" ان " کے لئے برابر ہے ، آپ انھیں ڈرائیں یا نہیں ، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

یوں نہیں فرمایا :

سَوَاءٌ عَلَيْكَ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ۔

" آپ " کے لئے برابر ہے کہ انھیں ڈرائیں یا نہیں۔

دعوت کے فوائد

داعی کو دعوت سے جو دنیوی اور اخروی فوائد پہنچتے ، وہ حسب ذیل :

۱۔ اس کی شرعی ذمہ داری ادا ہوتی ہے اور وہ عند اللہ جواب دہی سے محفوظ ہوجاتا ہے۔

۲۔ آخرت میں اسے بے حد اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے ؛ کیوں کہ جو شخص جس آدمی کی کوشش سے ایمان کے دائرہ میں آئے اور صراط مستقیم کو اختیار کرے ، اس کی نیکیوں میں وہ عند اللہ شریک سمجھا جاتا ہے ؛ جیساکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : "الدال علی الخیر کفا علہ" (۲) اور جیساکہ آپ انے فرمایا :" من سن سنۃ حسنۃ" ۔(۳)

(۱) البقرۃ : ٦

(۲) سنن ترمذی ، کتاب العلم ، باب ماجاء الدال علی الخیر کفاعلہ ، حدیث نمبر : ۲٦۷۰

(۳) سنن ابن ماجہ ، باب من سن سنۃ حسنۃ او سیئۃ ، حدیث نمبر : ۲۰۳

جس نے اچھا طریقہ جاری کیا ، اس پر عمل کیا جائے تو اس کے لئے اس کا اجر بھی ہے اور ان لوگوں کا اجر بھی ، جو اس پر عمل کریں ، بغیر اس کے کہ خود ان کے اجر میں کوئی کمی ہو ، اور

جس نے برا طریقہ جاری کیا ، پھر اس پر عمل کیا جائے ، تو اس پر خود اس کے عمل کا گناہ بھی ہوگا اور دوسرے عمل کرنے والوں کا گناہ بھی ، نیز خود اس کے گناہ میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

۳۔ ترکِ دعوت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا عذاب متوقع ہے اور من جملہ اس کے یہ بھی ہے کہ ایسے شخص یا گروہ کی دعاء قبول نہیں ہوتی ، فریضۂ دعوت ادا کرکے مسلمان اس سے اپنے آپ کو بچاسکتے ، چنانچہ حضرت حذیفہ بن یمان سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

والذی نفسی بیدہ لتامرن بالمعروف ولتنھون عن المنکر اولیوشکن اللہ ان یبعث علیکم عقابا من عندہ ثم لتد عنہ فلا یستجیب لکم۔(۱)

اس ذات کی قسم ! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو ، یا قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے عذاب نازل کریں ، پھر تم دعاء کرو اور تمہاری دعاء قبول نہ کی جائے۔

٤۔ جو گروہ دعوت کا کام کرتا ہے ، من جانب اللہ دشمنوں سے اس کی حفاظت ہوتی ہے ، جیساکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا :

یا ایّھا الرّسول بلّغ ما اُنزل الیک من رّبک وان لم تفعل فما بلّغت رسالتہ واللہ یعصمک من النّاس۔ (٢)

(١) رواہ الترمذی ، کتاب الفتن ، باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر ، حدیث نمبر :٢١٦٩

(٢) المائدۃ : ٦٧

اے رسول ! آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے جو دین اُتارا گیا ہے ، اسے پہنچا دیجئے

، اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو حق رسالت ادا نہیں کیا اور لوگوں سے تو اللہ آپ کی حفاظت کریں

گے۔

ـــ یہ آیت واضح کرتی ہے کہ تبلیغ رسالت سے " عصمت من الناس"(لوگوں سے حفاظت)

متعلق ہے ، م ہوا کہ جب اُمت تبلیغ رسالت کے فریضہ سے غافل ہوجائے گی ، تو اللہ کی

طرف سے عصمت و حفاظت سے بھی محروم ہوجائے گی ، یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ قرآن مجید

میں اکثر مواقع پر " ناس " کا لفظ کفار و مشرکین کے لئے بولا گیا ہے ، گویا دعوت کفار و مشرکین

سے حفاظت کا ایک غیبی نسخہ ہے۔

۵۔ دعوتِ دین کی خدمت جب بھی انجام دی جائے گی ، دو باتوں میں سے ایک بات ضرور سامنے

آئے گی ، یا تو گم گشتہ راہ لوگوں کو ہدایت حاصل ہوگی اوریہی مقصود ہے ، یا ان پر حجت تمام

ہوجائے گی ، پھر اللہ کی طرف سے مسلمانوں کی مدد ہوگی اور وہ عذاب الٰہی کے مستحق قرار پائیں

گے ؛ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث قدسی میں فرمایا کہ فریضۂ دعوت

سے گریز کی وجہ سے دعائیں رد کردی جائیں گی اور لوگ اللہ کی مدد سے محروم کردیئے جائیں گے

، چنانچہ حضرت عائشہ سے مروی ہے :

دخل علیّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فعرفت فی وجہہ ان قد حضرہ شئ فتوضاء وما کلم احداً فلصقت بالحجرة

استمع ما یقول ، فقعد علی المنبر فحمد اللہ واثنی علیہ وقال : یا ایہا الناس ! ان اللہ تعالیٰ یقول لکم :

مروا بالمعروف وانہوا عن المنکر قبل ان تدعوا فلا اجیب لکم وتسالونی فلا اعطیتم وتستنصرونی فلا انصرکم

فما زاد علیہن حتی نزل۔(۱)

(۱) ابن حبان ، کتاب البر والاحسان ، باب الصدق والامر بالمعروف والنہی عن المنکر ، حدیث نمبر

۲۹۰:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، میں نے آپ کے چہرہ انور پر تفکر محسوس

کیا کہ کوئی بات پیش آئی ہے ؛ چنانچہ آپ نے وضوء فرمایا اور کسی سے گفتگو نہیں کی ، پھر حضور ا

کی بات سننے کے لئے میں حجرہ سے لگ گئی ، آپ منبر پر بیٹھے ، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور فرمایا

" اے لوگو ! اللہ تم سے فرماتے : نیکی کا حکم کرتے رہو اور برائی سے روکتے رہو ، اس سے

پہلے کہ تم دعاء کرو اور میں تمہاری دعاء قبول نہ کروں اور تم مانگو اور میں عطا نہ فرماؤں اور تم مدد

چاہو اور میں تمہاری مدد نہ کروں " اس سے زیادہ آپ نے کچھ نہیں فرمایا اور منبر سے اُتر گئے۔

غور کیا جائے تو اس وقت دنیا کے بہت سے علاقوں میں صورت حال یہ ہے کہ اُمت مسلمہ پر ظالم

حکومتوں کا تسلط ہے ، جس کی سب سے بڑی مثال سرزمین قدس ہے ، دنیا کے بہت سے علاقوں

میں مسلمان غیر محفوظ ، وہ اپنے مذہب ، تمدن ، جان و مال اورعزت و آبرو کے سلسلے میں

عدم تحفظ سے دوچار ، حرمین شریفین سے لے کر پوری دنیا کی مسجدوں تک ہر جگہ دعائیں

ہوتی اور خدا سے مدد مانگی جاتی ہے ، مگر صورت حال یہ ہے کہ دن بدن مسلمانوں کے حالات

بگڑتے ہی جاتے ، جو آیات و احادیث اوپر ذکر کی گئی ، وہ ہمیں بتاتی کہ اس صورتِ

حال کا حقیقی سبب خدا کے غیبی نظام کے تحت یہ ہے کہ ہم نے بہ حیثیت اُمت دعوتِ دین کے

کام سے منھ موڑ لیا ہے ؛ اسی لئے دعوتِ دین وہ اہم فرئضہ ہے ، جس کی طرف مسلمانوں کو پوری

یکسوئی کے ساتھ متوجہ ہونا ضروری ہے اور خدا کے غیبی نظام میں یہی ان کے تحفظ کا راستہ ہے۔

دعوتِ دین فرض عین ہے یا فرض کفایہ ؟

اسی لئے فقہاء اس بات پر متفق کہ دعوتِ دین محض کوئی مباح یا مستحب عمل نہیں ہے ؛ بلکہ

یہ اس اُمت پر فرض ہے ، اختلاف اس میں ہے کہ یہ فرض عین ہے یا فرض کفایہ ؟ ایک نقطۂ

نظر یہ ہے کہ دعوت فرض عین ہے ، یعنی ہر شخص پر انفرادی حیثیت میں فرض ہے ؛ کیوں کہ اللہ

تعالیٰ نے پوری اُمت مسلمہ کو کارِ دعوت کا حکم دیا ہے ؛ چنانچہ امام فخر الدین رازی (م : ٦٠٤ھ

) " وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ" (۱)

کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے :

فی قولہ تعالیٰ " منکم " قولان : القول الاول : ان " من " ہنا لیست للتبعیض لدلیلین : الاول : ان

اللہ تعالیٰ اوجب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر علی کل الامۃ فی قولہ تعالیٰ " کنتم خیر امۃ اخرجت

للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر (۲) الثانی : ہو انہ لا مکلف الا ویجب علیہ الامر بالمعروف

والنہی عن المنکر ما بیدہ ، اوبلسانہ او بقلبہ ، ویجب علی کل احد دفع الضرر عن النفس ، اذا ثبت ہذا

فنقول : معنی ہذہ الآیہ : کونوا دعاۃ الی الخیر آمرین بالمعروف ناہین عن المنکر ، واما کلمۃ " من " فہی

ہنا للتبیین لا للتبعیض کقولہ تعالی " فاجتنبوا الرجس من الاوثان " (۳) ویقال ایضا : لفلان من

اولادہ جند وللامیر من غلمانہ عسکر ، یرید بذلک جمیع اولادہ وغلمانہ لا بعضہم ، کذا ہاہنا۔(٤)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد : " منکم" میں دو قول : پہلا قول یہ کہ "من " یہاں " بعض " کے معنی

میں نہیں ہے ، اور اس کی دو

(۱) آلِ عمران : ۱۰٤ (۲) آلِ عمران : ۱۱۰

(۳) الحج : ۳۰ (٤) مفاتیح الغیب : ٤۷٦٤

دلیلیں اول : یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول "کُنتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ الخ" (آلِ عمران : ۱۱۰) میں

پوری اُمت پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب قرار دیا ہے ، دوسرے یہ کہ ہر مکلف پر امر

بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے ، چاہے ہاتھ سے کرے ، یا زبان سے یا دل سے ، ... جب

یہ بات ثابت ہوگئی تو ہم کہیں گے کہ اس آیت کے معنی کہ بھلائی کا حکم دیتے ہوئے اور

برائی سے روکتے ہوئے خیر کی طرف داعی بن جاؤ ، لہٰذا " من " یہاں بیان کے لئے ہے نہ کہ

بعض کے معنی میں ، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد — " فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ" بتوں کی نجاست سے بچو (۱) — میں ، (یعنی بعض بتوں سے بچنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے ؛ بلکہ تمام بتوں سے بچنے کا حکم فرمایا گیا ہے)۔

اس نقطۂ نظر کے مطابق تو ہر مسلمان پر اپنی صلاحیت اور طاقت و استطاعت کے مطابق دعوتِ دین کا کام فرض ہے ؛ اسی لئے اہل سنت و الجماعت نے داعی کے لئے عادل ہونے کی شرط نہیں لگائی ہے ، اگر کوئی مسلمان فاسق ہو ، تب بھی اسے دعوت کا کام کرنا چاہئے ، چنانچہ علامہ قرطبیؒ فرماتے :

ولیس من شرط الناہی ان یکون عدلاً عند اہل السنۃ ، خلافاً للمبتدعۃ ، حیث یقول : لا یغیرہ لا عدل ، وہذا ساقط ؛ فان العدالۃ محصورۃ فی القلیل من الخلق والامر بالمعروف والنہی عن المنکر عام فی جمیع الناس۔(۲)

(۱) الحج : ۳۰ (۲) تفسیر قرطبیؒ : ٤٧٤

اہل سنت والجماعت کے نزدیک برائی سے روکنے والے کے لئے شرط نہیں ہے کہ وہ عادل بھی ہو ، بخلاف مبتدعین کے ، کہ وہ کہتے : عادل ہی برائی کو بدل سکتا ہے اور اس قول کا اعتبار نہیں ؛ اس لئے کہ عدالت تو کچھ لوگوں میں محدود ہے ، جب کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تمام لوگوں میں عام ہے۔

یہی بات امام رازی (م : ٦٠٤ھ) نے بھی لکھی ہے :

والعلماء قالوا : الفاسق لہ اَن یامر بالمعروف لاَنہ وجب علیہ ترک ذلک المنکر ووجب علیہ النہی عن ذلک المنکر۔(۱)

علماء نے کہا ہے کہ فاسق نیکی کا حکم دے سکتا ہے ، اس لئے کہ اس برائی کو خود ترک کرنا بھی

واجب ہے اور اس سے روکنا بھی واجب ہے ، یعنی دونوں مستقل دو الگ الگ واجبات ۔

نیز اسی آیت کی توضیح میں علامہ ابن کثیر (م : ۷۷٤ھ) فرماتے :

والمقصود من ہذہ الآیہ ان تکون فرقۃ من ہذہ الامۃ متصدیہ لہذا الشان ون کان ذلک واجبا علی کل

فرد من الامۃ بحسبہ کما ثبت فی صحیح مسلم عن ابی ہریرۃ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :

من رایٰ منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ ، فان لم یستطع فبلسانہ ، فان لم یستطع فبقلبہ ، وذلک اضعف الایمان

حبۃ خردل۔(۲)

اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ اس اُمت کا ایک گروہ اس کام کے لئے مستعد رہے ، اگرچہ اُمت کے

ہر فرد پر اس کی صلاحیت

(۱)　مفاتیح الغیب :۳۷۸٤　　　　　　　(۲)　تفسیر ابن کثیر : ۳۹۰۱

کے مطابق دعوت واجب ہے ؛ جیساکہ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : تم میں سے جو کسی برائی کو دیکھے وہ اسے ہاتھ سے روکے ، اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے اور اس کی بھی نہ ہو تو دل سے ، یہ ایمان کا سب سے کم تر درجہ ہے ، اس کے بعد رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں۔

دوسرا نقطہ ٔ نظر یہ ہے کہ دعوت فرض کفایہ ہے ، یعنی اُمت میں ایک گروہ کو بہر حال فریضۂ دعوت کو ادا کرنا چاہئے ؛ لیکن ہر شخص پر انفرادی حیثیت میں دعوت واجب نہیں ، امام رازی (م : ٦٠٤ھ) اس نقطۂ نظر کو نقل کرتے ہوئے فرماتے　　　:

القول الثانی ان " من " ہنا للتبعیض ، والقائلون بہذا القول اختلفوا ایضاً علی قولین : احدہما : ان

فائدۃ کلمۃ " من " ہی ان فی القوم من لا یقدر علی الدعوۃ ولا علی الامر بالمعروف والنہی عن المنکر

مثل النساء ، والمرضی والعاجزین : وثانیہا ، ان ہذا التکلیف مختص بالعلماء۔(۱)

دوسرا قول یہ ہے کہ " من " یہاں " بعض " کے معنی میں ہے ، پھر جو حضرات اس کے قائل

، ان کے بھی دو قول : ایک یہ کہ " من " (بہ معنی بعض) کا فائدہ یہ ہے کہ قوم میں

کچھ ایسے لوگ بھی ہوسکتے ہیں جو دعوت ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر قادر نہ ہوں ، جیسے :

" عورتیں ، بیمار ، عاجز حضرات " دوسرا قول یہ ہے کہ " دعوت کے مکلف صرف علماء " ۔

(۱) مفاتیح الغیب : ۳۷٦٤

ایک قول یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ " ولتکن منکم امۃ" سے مراد صرف صحابہ کی ذات ہے ، یہ

ضحاک کا قول ہے ، (۱) لیکن الفاظ قرآنی میں اس تخصیص پر کوئی دلیل نہیں ہے ؛ اسی لئے اہل

علم نے اس تیسرے نقطہ ٔ نظر کو قبول نہیں کیا ہے ، چنانچہ علامہ ابن کثیر (م : ۷۷٤ھ) فرماتے

:

والصحیح ان ہذہ الآیۃ عامۃ فی جمیع الامۃ کل قرن بحسبہ۔(۲)

صحیح یہ ہے کہ یہ آیت پوری اُمت کے لئے عام ہے ، ہر زمانہ میں اس زمانے کے مطابق۔

فرض کفایہ سے مراد

بہر حال جمہور کے نزدیک دعوت فرض کفایہ ہے ، اس سے بعض حضرات کو یہ خیال پیدا ہوگیا کہ

اگر پوری اُمت میں سو دو سو آدمی بھی دعوت کا کام کرتے ہوں ، تو پوری اُمت کی طرف سے

فرئضۂ دعوت ادا ہوجائے گا ؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ غلط فہمی پر مبنی ہے ، فرض کفایہ سے مراد

یہ ہے کہ اتنے لوگ اس فریضہ کو ادا کرنے والے موجود ہوں ، جو اس کی ادائیگی کے لئے کافی ہوجائیں ، جیسے میت کو غسل دینا فرض کفایہ ہے اور غسل کے لئے ایک آدمی کافی نہ ہوسکے ، دو یا چار آدمی کی ضرورت ہو ، تو جب تک اتنے افراد مہیا نہ ہوجائیں ، فرض کفایہ ادا نہیں ہوگا ، اسی طرح عام حالات میں جہاد فرض کفایہ ہے ، ظاہر ہے کہ دوچار آدمی جہاد نہیں کرسکتے ، جہاد کے لئے دشمن کی طاقت کے اعتبار سے ایک فوج مطلوب ہے ، جب تک اتنے افراد مہیا نہ ہوجائیں ، فرض کفایہ باقی رہے گا ؛ اسی لئے علامہ علاء الدین حصکفیؒ حنفی (م : ۱۰۸۸ھ) نے لکھا ہے کہ اگر مسلمانانِ روم اپنے قریب کے لوگوں سے جہاد کریں ، تو اہل ہند سے فریضۂ جہاد ساقط نہیں ہوگا :

(۱) مفاتیح الغیب : ۳۷۷٤ (۲) تفسیر ابن کثیر : ۳۹۱۱

وایاک ان تتوہم ان فرضیتہ تسقط عن اہل الہند بقیام اہل الروم مثلاً۔(۱)

تم کو یہ وہم نہ ہو کہ مثلاً اہل روم کے جہاد کرنے سے اہل ہند سے جہاد ساقط ہوجائے گا۔

نیز علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں :

ومعنی الکفایۃ فی الجہاد ان ینہض للجہاد قوم یکفون فی قتالہم ، ما ان یکونوا جندا لہم دواوین من اجل ذلک ، او یکونوا قد اعدوا انفسہم لہ تبرعاً بحیث اذا قصدہم العدو ، حصلت المنعۃ بہم۔(۲)

جہاد کے فرض کفایہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ جہاد کے لئے اتنے لوگ تیار ہوں جو جنگ کی ضرورت پوری کرنے کے لئے کافی ہوں ، یا تو باضابطہ درج رجسٹر (تنخواہ دار) فوجی ہوں ، یا تبرعاً انھوں نے اپنے آپ کو جہاد کے لئے تیار رکھا ہو ؛ بہر حال وہ اس موقف میں ہوں کہ دشمن حملہ کریں تو یہ دفاع کے لئے کافی ہوجائیں۔

فرض کفایہ کی تعریف میں اس حقیقت کی طرف اشارہ موجود ہے اور بعض اہل علم نے اس کو زیادہ وضاحت و صراحت کے ساتھ بھی لکھا ہے ، جیسے موجودہ عہد کے اہل علم میں ڈاکٹر عبد الکریم بن علی " واجب کفائی " کا حکم بیان کرتے ہوئے رقم طراز :

وحکمہ انہ ذا قام بہ من یکفی من المکلفین سقط عن الباقین وذا لم یؤدہ احد لحق الاثم جمیع المکلفین۔(۳)

(۱) الدر المختار مع الرد : ۲۰۰۶۔۲۰۱ (۲) المغنی : ۸۱۳

(۳) المھذب فی علم اصول الفقہ : ۲۱۵۱

اس کا حکم یہ ہے کہ جب مکلف لوگوں میں سے اس ذمہ داری کے لئے کفایت کرنے کے بہ قدر لوگ اس کو انجام دیں تو باقی لوگوں سے ذمہ داری ساقط ہوجائے گی اور کوئی بھی اس ذمہ داری کو ادا نہ کرے تو سبھوں کو گناہ ہوگا۔

دوسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ اگر کسی فرض کفایہ کی ادائیگی اس وقت تک نہ ہوپائے ، جب

تک سارے لوگ اس میں نہ لگ جائیں ، تو اس وقت وہ فرض عین کا درجہ حاصل کرلیتا ہے ،

جیساکہ جہاد کے سلسلے میں فقہاء کی تصریحات موجود ۔

غرض کہ فرض کفایہ ہونے کا مقصد یہ ہے کہ اس کام میں اتنے لوگ لگ جائیں ، جو اس کے

نتیجہ خیز ہونے کے لئے کافی ہوجائیں ، اب موجودہ دور میں صورتِ حال یہ ہے کہ پوری دنیا نے

ایک گاؤں کی صورت حاصل کرلی ہے ، جس میں مسلمانوں کی مجموعی تعداد بیس فیصد یا اس سے

کچھ زیادہ ہے تقریباً مسلمانوں کی آبادی کا یہی تناسب خود ہمارے ملک ہندوستان میں بھی ہے ،

ان میں وہ لوگ بھی ، جو پوری طرح صراط مستقیم پر قائم اوروہ لوگ بھی ، جو فکری و

عملی انحراف میں مبتلا ، اب اگر صرف غیر مسلم بھائیوں تک ہی دعوت پہنچانے کی بات ہو تو

ان کی تعداد اسی فیصد ہے ، گویا ہر مسلمانوں کو کم سے کم چار انسانی بھائیوں تک دعوتِ دین پہنچانی

ہے ، ظاہر ہے کہ اگر ہزار دو ہزار افراد ، مسلمانوں کی کوئی ایک دو تنظیم یاکسی خاص علاقہ کے

مسلمان اس کے لئے جدوجہد کریں ، تو پوری انسانیت تک اسلام کی دعوت کیوںکر پہنچ سکتی ہے ؟

ـ لہٰذا صرف فرض کفایہ کے لفظ سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے۔

علاقوں کے اعتبار سے دعوت کی اہمیت

مسلمان دنیا کے جن ملکوں میں آباد ، وہ بنیادی طورپردو طرح کے : ایک وہ جہاں مسلمانوں

کی حکومت ہے ، دوسرے وہ جہاں مسلمان اقلیت میں یا اکثریت میں ہونے کے باوجود محکوم

، اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس وقت پچاس فیصد سے زیادہ مسلمان ایسے ملکوں میں ، جہاں

اقتدار کی باگ و ڈور مسلمانوں کے ہاتھ میں نہیں ہے ، چنانچہ انڈونیشیا کے بعد سب سے زیادہ

مسلمان ہندوستان میں بستے ، چین اور روس میں مسلمانوں کی آبادی اتنی کثیر ہے کہ ان کی

تعداد بیشتر مسلمان ملکوں سے زیادہ ہے ، ان حالات میں ہمیں دونوں طرح کے حالات میں زندگی

بسر کرنے والے مسلمانوں کے بارے میں طے کرنا ہوگا کہ دعوتی نقطۂ نظر سے ان کی ذمہ داریاں

کیا   ؟

دعوتِ دین اور غیر مسلم ممالک

اس لئے پہلے ہم ان ممالک کے مسلمانوں کا ذکر کرتے   ، جو اقلیت میں   یا محکوم   ، —

ایسے مسلمانوں کے لئے بنیادی طورپر تین ہی راستے ہوسکتے   : جہاد ، ہجرت ، دعوت۔

جہاد اور غیر مسلم ممالک

جہاں تک جہاد کی بات ہے تو یہ ایک قانونی عمل ہے اور قرآن و حدیث کی روشنی میں فقہاء نے

اس کے لئے کچھ شرطیں ذکر کی   ، جب تک یہ شرطیں نہیں پائی جائیں ، جہاد کرنا درست نہیں

، اس سلسلہ میں ایک بنیادی شرط یہ ہے کہ جہاد ان ہی قوموں سے جائز ہے ، جن تک اسلام کی

دعوت پہنچ چکی ہو ، یہاں اس سلسلے میں چند روایات کا نقل کرنا مناسب ہوگا :

m عن ابن عباس قال : ما قاتل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قوماً حتی دعاہم۔(۱)

حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ نے فرمایا : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قوم سے اس وقت تک جہاد نہیں کیا ، جب تک کہ ان کو دعو ت نہ دیدی۔

(۱) مسند احمد ، حدیث نمبر : ۲۰۵۳، ۲۱۰۵ ، سنن دارمی ، حدیث نمبر : ۲۴۴۴

m عن علی : ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالہ : حین بعثہ لا تقاتل قوماً حتی تدعوہم۔(۱)

حضرت علی ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوج کو بھیجتے ہوئے ہدایت فرماتے تھے ، جب تک کسی قوم کو دعوت نہ دیدو ، اس وقت تک ان سے جنگ نہ کرو۔

m عن فروۃ بن مُسیک قال : اتیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت : یا رسول اللہ ! اقاتل بمن اقبل من قومی من ادبر منہم ؟ قال : نعم ، فلما ادبر ، دعاہ ، فقال : ادعُہم لی السلام ، فان ابوا فقاتلہم۔(۲)

حضرت فروہ بن مُسیک سے مروی ہے کہ میں نے عرض کیا : کیا میں اپنی قوم میں سے دین حق کو قبول کرنے والوں کو لے کر اس سے منھ موڑنے والے سے جہاد کرو ں؟ آپ نے فرمایا : ہاں ، جب میں مڑا تو آپ نے مجھے بلایا اور فرمایا : جب تک انھیں اسلام کی دعوت نہ دیدو ان سے جنگ نہ کرو۔

اسی لئے محدثین نے اپنی کتاب میں " باب الدعوۃ قبل الجہاد " کا باب قائم کیا ہے ، اسی طرح فقہاء نے جہاد سے پہلے تبلیغ دین کو واجب قرار دیا ہے ، چنانچہ فقہاء حنفیہ میں علامہ برہان الدین بخاری (م : ٦٦١ھ) فرماتے :

یجب ان یعلم بان شرط جواز القتال مع الکفرۃ علی الخصوص اشیاء ثلاثۃ ، احدہا : امتناعہم عن قبول

الاسلام ... حتی انہ اذا لم تبلغہم الدعوۃ لی ذلک لا من حیث الحقیقۃ ولا من حیث الاعتبار ، لایباح

(۱) مصنف عبد الرزاق ، کتاب الجہاد ، باب دعاء العدو ، حدیث نمبر : ۹۴۲۴

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی ، حدیث نمبر : ۸۳٤

قتالہم لا بعد تقدیم الدعوۃ۔(۱)

یہ جاننا ضروری ہے کہ خاص طورپر غیر مسلموں کے ساتھ جنگ کے جائز ہونے کے لئے تین شرطیں : ان میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کردیں ، ... یہاں تک کہ جب تک ان کو اسلام کی دعوت نہ پہنچ جائے ، نہ حقیقۃً اورنہ تقدیراً ، ان کو دعوت پیش کئے بغیر ان سے جہاد جائز نہیں۔

علامہ علاء الدین کاسانی (م : ۵۸۷ھ) کا بیان ہے :

ولا یجوز لہم القتال قبل الدعوۃ ؛ لان الایمان ون وجب علیہم قبل بلوغ الدعوۃ بمجرد العقل ، فاستحقوا القتل بالامتناع ؛ لکن اللہ تبارک و تعالی حرم قتالہم قبل بعث الرسول علیہ الصلاۃ والسلام وبلوغ الدعوۃ ایاہم فضلا منہ ومنۃ وقطعاً لمعذرتہم بالکلیۃ ... ولان القتال مافرض لعینہ بل للدعوۃ الی الاسلام ، والدعوۃ دعوتان : دعوۃ بالبنان وہی القتال ، ودعوۃ بالبیان وہو اللسان ، وذلک بالتبلیغ ، والثانیۃ اہون من الاولیٰ ۔(۲)

مسلمانوں کے لئے غیر مسلموں سے دعوتِ دین پیش کرنے سے پہلے جنگ جائز نہیں ؛ اس لئے کہ ایمان لانا اگرچہ ان پر دعوت کے پہنچنے سے پہلے بھی محض عقل کی وجہ سے واجب ہے ، لہٰذا وہ ایمان نہ لانے کی وجہ سے قتل کئے جانے کے مستحق ؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے رسول کے بھیجنے اور دعوت ان تک پہنچنے سے پہلے — بہ طور فضل و احسان اور پوری طرح اتمام حجت

(۱) المحیط البرہانی : ۹٤۷		(۲) بدائع الصنائع : ٦١٦

کے لئے — جنگ کو حرام قرار دیا اور اس لئے بھی کہ جہاد بذات خود فرض نہیں ہے ؛ بلکہ اسلام کی طرف دعوت اصل مقصود ہے اور دعوت جنگ کے ذریعہ بھی ہوتی ہے اور بیان یعنی زبان کے ذریعہ بھی ، اور زبان سے دعوت کا طریقہ تبلیغ دین ہے اور دعوت کی یہ دوسری صورت پہلی صورت کے مقابلہ آسان ہے۔

نیز علامہ علاء الدین حصکفی (م : ۱۰۸۸ھ) فرماتے :

ولا یحل لنا ان نقاتل من لا تبلغه الدعوة بفتح الدال الی الاسلام وهو وان اشتهر فی زماننا شرقاً وغرباً ، لکن لا شک ان فی بلاد الله من لا شعور له بذلک۔(۱)

جن لوگوں تک دعوتِ اسلام نہ پہنچی ہو ، ہمارے لئے ان سے جنگ کرنا جائز نہیں ہے ، اگرچہ

ہمارے زمانہ میں مشرق سے مغرب تک اسلام کی شہرت ہوچکی ہے ؛ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ

اللہ کی زمین میں اب بھی ایسے لوگ موجود ، جنھیں اس بارے میں واقفیت نہیں ہے۔

اور علامہ شامی نے اس کی توضیح کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر دعوت پہنچانے سے پہلے جنگ کی جائے

تو یہ باعث گناہ ہے۔

فلو قاتلہم قبل الدعوۃ اثم للنہی۔(۲)

اگر انھیں دعوت دینے سے پہلے ان سے جنگ کرے گا تو ممانعت کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی (م : ٦٢٠ھ) نے بھی صراحت کی ہے کہ جن لوگوں تک دعوت

(۱) الدرالمختار مع الرد : ٢٠٨٦ (۲) رد المحتار علی الدر : ٢٠٨٦

اسلام نہیں پہنچی ہو ، ان تک دعوت پہنچائے بغیر ان سے جہاد کرنا جائز نہیں :

فان من بلغتہ الدعوہ منہم لا یدعون ، وان وجد منہم من لم تبلغہ الدعوۃ دعی قبل القتال ، وکذلک ن وجد من اہل الکتاب من لم تبلغ الدعوہ ، دعوا قبل القتال ، قال احمد : ان الدعوۃ قد بلغت وانتشرت ، ولکن ن اجاز ان یکون قدم خلف الروم وخلف الترک علی ہذہ الصفہ لم یجز قتالہم قبل الدعوۃ۔(۱)

غیر مسلموں میں سے جن کو دعوت پہنچ چکی ہو ، ان کو دعوت نہیں دی جائے گی اور اگر ان میں بعض لوگ ایسے ہوں ، جن کو دعوت نہیں پہنچی ہو تو جنگ سے پہلے ان کو دعوت دی جائے گی ، اسی طرح اگر اہل کتاب میں سے کچھ ایسے لوگ ہوں ، جن تک اسلام کی دعوت نہیں پہنچی ہوتو انھیں بھی دعوت پیش کی جائے گی ، امام احمد نے فرمایا : اگرچہ دعوت اسلام پہنچ چکی ہے اور عمومی

طورپر پھیل چکی ہے ؛ لیکن ہوسکتا ہے کہ رومیوں اورترکوں کے پیچھے اسلام سے ناواقف قومیں

موجود ہوں ؛ اس لئے دعوت دینے سے پہلے ان سے جنگ کرنا جائز نہیں۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے اس سلسلہ میں فقہاء کے مختلف نقاط نظر کو ان الفاظ میں ذکر کیا ہے :

وقد اختلف الفقہ ء فی حکم ابلاغ الدعوۃ علی ثلاثۃ آراء : الاول : یجب قبل القتال تقدیم الدعوۃ

الاسلامیۃ مطلقاً ، ای سواء بلغت الدعوۃ العدو ام لا ، وبہ قال مالک والھا دویہ والزیدیہ لقولہ تعالیٰ

(۱) المغنی : ۲۹۱۳

"ستدعون الی قوم اولی باس شدید تقاتلونہم او یسلمون ـ الثانی : لا یجب ذلک مطلقاً ، وہو ری قوم

کالجنۃ بیہ ـ الثالث : تجب الدعوۃ لمن لم یبلغہم الاسلام ، فان انتشر الاسلام وظہر کل الظہور ، وعرف

الناس لماذا یدعون ، وعلی ماذا یقاتلون ، فالدعوۃ مستحبۃ تاکیداً لاعلام والانذار ولیست بوجبہ ، وہذا رای

جمہور الفقہاء والشیعہ الامامیہ والاباضیہ ، قال ابن المنذر ، ہو قول جمہور اہل العلم ، وقد تظاہرت

الاحادیث الصحیحۃ علی معناہ ، وبہ یجمع بین ماظاہر الاختلاف من الاحادیث۔(۱)

دعوتِ اسلام پہنچانے کا کیا حکم ہے ؟ اس سلسلہ میں فقہاء کے تین اقوال : اول یہ کہ جنگ

سے پہلے دعوتِ اسلام پہنچانا واجب ہے ، چاہے دشمن کو دعوت اسلام پہنچ ہو یا نہ پہنچی ہو ، امام

مالک ، ہادریہ اور زیدیہ اسی کے لئے قائل ، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے " عنقریب

تمہیں ایسے لوگوں سے لڑنے کے لئے بلایا جائے گا ، جو بڑے زور آور ، تم کو ان سے جنگ

کرنی ہوگی یا وہ مطیع ہوجائیں گے " دوسرا قول یہ ہے کہ پہلے دعوت دینا مطلقاً واجب نہیں ، یہ

حنابلہ کا قول ہے ، تیسرے : جن تک اسلام نہیں پہنچا ہو ، ان کو دعوت دینا واجب ہے ؛ لہٰذا

جب اسلام پھیل جائے ، پوری طرح لوگوں پر ظاہر ہوجائے اور لوگ جان لیں کہ انھیں کن باتوں

کی دعوت دی جارہی ہے ؟ تو اس اطلاع و تنبیہ کو مؤکد کرنے کے لئے دعوت دینا مستحب

(۱) الفقہ الاسلامی وأدلتہ : ۲۰-٤١٩٦

ہے ، واجب نہیں ہے ، یہ زیادہ تر فقہاء ، شیعہ امامیہ اور اباضیہ کی رائے ہے ، ابن منذر کا بیان ہے کہ جمہور اہل علم کا قول یہی ہے ، اس بات پر صحیح احادیث شاہد اور اس طرح احادیث کے ظاہری اختلاف میں تطبیق پیدا کی جاسکتی ہے۔

غرض کہ جس گروہ سے جہاد کیا جائے ، ضروری ہے کہ پہلے اسے اسلام کی دعوت پہنچائی جائے ، خواہ پہلے سے دعوت پہنچائی گئی ہو یا عین میدانِ جنگ میں ان کو دعوت پیش کی جائے ؛ بلکہ جن لوگوں پر پہلے دعوت پیش کی جاچکی ہو ، ان پر بھی اس وقت دوبارہ دعوت اسلام پیش کرنا مستحب ہے ، جس وقت فوجوں کا سامنا ہو ؛ تاکہ پوری طرح حجت تمام ہوجائے ، چنانچہ علامہ برہان الدین بخاری (م : ٦١٦ھ) کا بیان ہے :

ثم انما تستحب الدعوۃ مرۃ أخری للتاکید بشرطین : أحدہما : أن لا یکون فی تقدیم الدعوۃ ضرر علی المسلمین ... الشرط الثانی : أن یطمع فیہم ما یدعون الیہ۔(۱)

پھر بہ طور تاکید دوسری مرتبہ دعوت دینا دوشرطوں کے ساتھ مستحب ہے ، ایک یہ کہ دعوت کے پیش کر نے میں مسلمانوں کے لئے نقصان نہ ہو ، دوسری یہ ہے کہ جس چیز کی ان کو دعوت دی جارہی ہے ، اس کے ثمر آور ہو نے کی اُمید ہو۔

جہاد کی شرطوں میں سے دوسری ضروری شرط امیر کا ہونا ہے ؛ کیوں کہ جہاد ایک اجتماعی عمل ہے نہ کہ انفرادی ، چنانچہ حضرت ابوہریرہ ص سے روایت ہے :

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : الجہاد واجب علیکم مع کل أمیر برا کان أو فاجرا ، والصلاۃ واجبۃ

(۱) المحیط البرہانی : ۹۵۷

علیکم خلف کل مسلم برا کان او فاجرا ون عمل الکبائر۔(۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر امیر کی اطاعت واجب ہے، چاہے وہ نیکو کار ہو یا بدکار اور ہر مسلمان کے پیچھے نماز واجب ہے، چاہے نیک ہو یا برا، اگرچہ کبیرہ گناہوں کا مرتکب کیوں نہ ہو؟

اس سلسلے میں علامہ ابن قدامہ مقدسی فرماتے :

وامر الجہاد موکول لی الامام واجتہادہ، ویلزم الرعیہ طاعتہ فیما یراہ من ذلک۔(۲)

جہاد کا معاملہ امام اور اس کی رائے پر موقوف ہے اور وہ جو مناسب سمجھے رعایا کے لئے اس کی اطاعت لازم ہے۔

مولانا ظفر احمد عثمانی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے :

وفی الحدیث دلالۃ علی اشتراط الامیر للجہاد وأنہ لا یصح بدونہ لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم : " الجہاد واجب علیکم مع کل امیر الخ " فاذا لم یکن للمسلمین امام فلا جہاد ، نعم ، یجب علی المسلمین ان یلتمسوا لہم امیرا ، ویدل علی ان الجہاد لا یصح لا بامیر۔(۳)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاد کے لئے امیر کا ہونا شرط ہے اور بغیر امیر کے جہاد درست نہیں ؛ اس لئے کہ رسول اللہ

(۱) ابوداؤد ، کتاب الجہاد ، باب فی الغزو مع ائمۃ الجور ، حدیث نمبر : ۲۵۳۳

(۲) المغنی : ۱۳ ۱۶ (۳) اعلاء السنن :۴۱۲

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا " الجہاد واجب الخ ... " للہذاجب مسلمانوں کا امام موجود نہ ہو تو

لوگوں کے لئے جہاد نہیں ہے ، ہاں مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے لئے امیر تلاش کریں اور یہ

حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ بغیر امام کے جہاد درست نہیں۔

مولانا عثمانی نے اس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ امیر سے کس صلاحیت اور قوت کی شخصیت

مراد ہے ؟ یعنی یہ کافی نہیں ہے کہ چند افراد اپنے طورپر کسی کو امیر مقرر کرلیں ؛ بلکہ باضابطہ ایسا

امیر مرادہے ، جو احکام کی تنفیذ ، مظلوم کی انصاف رسانی اور لشکر کی تیاری وغیرہ پر قادر ہو اور

اسے ولایت عامہ مطلقہ حاصل ہو ، چنانچہ لکھتے :

ولا یخفی ان الا میر الذی یجب الجہاد معہ کما صرح بہ حدیث مکحول ، نما ہو من کان مسلماً ثبتت لہ

المارۃ بالتقلید ما باستخلاف الخلیفۃ یاہ کما نقل ابو بکر واما ببیعۃ من العلماء او جماعۃ من اہل الرای والتدبیر

، بشرط ان یکون من اہل الولایۃ المطلقۃ الکاملۃ ای مسلما حرا ذکرا قلا لغاً سائسا ای مالکا للتصرف فی

امور المسلمین بقوۃ رایہ ورویتہ ومعونۃ باسہ وشوکتہ قادراً بعلمہ وعدلہ وکفایتہ وشجاعتہ علی تنفیذ الاحکام

وحفظ حدود دارا لسلام وانصاف المظلوم من الظالم اذا الاخلال بھذہ الامور مخل بالغرض من نصب المام

کذا فی "شرح المقاصد : ۱۸۰ " وفی الدر : فی باب الامامۃ : ہی صغری وکبریٰ ، فالکبری استحقاق

تصرف عام علی الانام ونصبہ من اہم الوجبات ، ویشترط کونہ مسلماً حرا ذکرا عاقلا بالغا قادراً قرشیا ، لا

ہاشمیا علویا معصوما وتصح سلطنۃ متغلب للضرورۃ ، وقال ابن عابدین : قولہ " قادراً " ای علی تنفیذ

الاحکام وانصاف المظلوم من الظالم وسد الثغور وحمایۃ البیضۃ وحفظ حدود الاسلام وجر الجیوش .... الخ ۔(۱)

یہ بات مخفی نہ رہے کہ جس امیر کے ساتھ جہاد واجب ہے ، وہ مکحول والی حدیث کی صراحت کے

مطابق ایسا امیر ہے جو مسلمان ہو ، جس کو امارت تفویض کی گئی ہو ، یا تو اس طرح کہ خلیفہ نے

اس کو نامزد کیا ہو ، جیسا کہ حضرت ابوبکر نے کیا ، یا علماء اور اصحاب تدبیر کی ایک جماعت نے

اس سے بیعت کی ہو ؛ بہ شرطیکہ وہ ولایت کاملہ مطلقہ کا اہل بھی ہو ، یعنی مسلمان ہو ، آزاد ہو ،

عاقل و بالغ ہو ، صاحب سیاست ہو یعنی مسلمانوں کے معاملات میں اپنی خوش تد بیری ، بصیرت ، طاقت اورشرکت کی بنا پر تصرف کر سکتا ہو ، نیز اپنے علم ، عدل وانصاف اور کفا یت و شجاعت کی وجہ سے احکام کے نافذ کر نے ، دارا لاسلام کی حد ود کی حفاظت کرنے اور ظالم سے مظلوم کو انصاف دلانے پر قادر ہو ؛ اس لئے کہ ان اُمور میں خلل پیداہو جانا امام کے تقرر کے مقصد میں خلل کا باعث ہے ، شرح عقائد میں ایسا ہی ہے ، (ص : ۱۸۰) اور درمختار میں امامت کے باب میں ہے کہ امامت دوطرح کی ہے : صغریٰ (کم درجہ کی) اور کبریٰ (اعلیٰ درجہ کی) ، تو امامت کبریٰ مخلوق پر عمومی

(۱)　اعلاء السنن : ۵۱۲

تصرف کے مستحق ہو نے سے عبارت ہے اور اس کا قائم کرنا اہم واجبات میں سے ہے اور اس کے لئے امام کا مسلمان ، آزاد ، مرد ، عاقل ، بالغ ہونا ، قادر ہونا اور قریشی ہونا ضروری ہے ، ہاشمی ، علوی اور معصوم ہو نا ضروری نہیں ، نیز زبردستی غلبہ حاصل لینے والے کی حکومت بھی ضرورۃً درست ہو جائے گی ، علامہ شامی کا بیان ہے کہ قادر ہو نے سے مراد یہ ہے کہ احکام کی تنفیذ ، مظلوم کی انصاف رسانی ، سرحدوں کی حفاظت ، عام مسلمانوں کے تحفظ ، اسلامی حدود کی نگہداشت اور فوجوں کے مہیا کر نے پر قادر ہو۔

جہاد کے لئے امیر کے ضروری ہونے پر بعض اور روایتوں سے بھی استدلال کیا گیا ہے ، یہ بات ظاہر ہے کہ ایک امیر کی موجودگی میں دوسرا امیر مقرر نہیں کیا جاسکتا ؛ اس لئے خاص کر کسی مسلمان ملک میں اگر چند لوگ مل کر کسی کو اپنا امیر بنالیں اور اس کے تحت جہاد کا فیصلہ کرنے لگیں تو یہ جہاد نہیں ہوگا ؛ بلکہ فساد ہوگا ، اسی طرح جہاد کفار سے ہے نہ کہ مسلمانوں سے ، اگر

کچھ لوگ مسلمان حکومت کے خلاف یا مسلمانوں کے کسی گروہ کے خلاف قتل و قتال شروع کردیں

تو یہ بھی شرعاً جہاد نہیں کہلائے گا ؛ بلکہ فساد فی الارض کا مصداق ہوگا ، اگر مسلمان حکمراں ظالم

ہوں تو ان سے جہاد باللسان ہونا چاہئے ؛ جیساکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

أفضل الجہاد کلمۃ عدل عند سلطان جائر۔(۱)

بہترین جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ عدل کہناہے۔

جہاد بالسیف کی شرطوں میں ایک یہ بھی ہے کہ اسباب و وسائل کے اعتبار سے بہ ظاہر مسلمانوں

کا کامیاب ہونا متوقع ہو ؛ اسی لئے ہم دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) سنن ابوداؤد ، کتاب الملاحم ، باب الامر والنہی ، حدیث نمبر : ٤٣٤٤

اور صحابہ کو مکی زندگی میں جہاد کی اجازت نہیں دی گئی ؛ بلکہ ہجرت سے پہلے بیعت عقبہ میں شریک صحابہ نے جہاد کرنا چاہا ، تب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں جہاد کی اجازت نہیں دی ، چنانچہ علامہ ابن کثیر (م : ۷۷٤ھ) اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے :

وانما شرع تعالیٰ الجہاد فی الوقت الأ لیق بہ ؛ لأنہم لما کانوا بمکۃ کان المشرکون اکثر عدداً فلو امر المسلمون وہم اقل من العشر بقتال الباقین لشق علیہم ، ولہذا لما بایع اہل یثرب لیلۃ العقبۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانوا نیفا وثمانین ، وقالوا : یارسول اللہ ! الا نمیل علی اہل الوادی یعنون اہل منی لیالی منی فنقتلہم ؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم " انی لم او مر بہذا " فلما بغی المشرکون واخرجوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم من بین اظہرہم وہموا بقتلہ وشردوا اصحابہ وشذر مذر ، فذہب منہم طائفہ الی الحبشۃ وآخرون الی المدینۃ ، فلما استقروا بالمدینۃ ووا فاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واجتمعوا علیہ وقاموا بنصرہ وصارت لہم دار اسلام و معقلاً یلجؤون الیہ شرع اللہ جہاد الاعداء۔(۱)

اللہ تعالیٰ نے جہاد کو اس کے نہایت مناسب وقت میں مشروع فر ما یا ؛ اس لئے کہ جب مکہ میں

مشرکین تعداد کے اعتبارسے بہت بڑھ کر تھے ، اس وقت مسلمانوں کو ــ جو دس فیصد سے بھی

کم تھے ــ بقیہ مشرکین سے جہاد کا حکم دیا جا تا تو ان کے

(۱) تفسیر ابن کثیر : ۳۳۵۳

لئے مشقت کا باعث ہو تا ؛ اسی لئے جب اہل مدینہ نے بیعت عقبہ کی شب جب رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اور اس وقت ان کی تعداد اسی سے زیادہ تھی ، تو لوگوں نے عرض کیا

: اے اللہ کے رسول ! کیا ہم وادی والوں پر ہلہ نہ بول دیں ، یعنی منی میں مقیم لوگوں کومنیٰ کی

راتوں میں حملہ کر کے قتل نہ کردیں ؟ آپ ا نے ارشاد فر مایا : مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے

پھر جب مشرکین نے سر کشی کی اور رسول اللہ صلی اللہ کو مکہ سے نکال دیا ، نیز آپ ا کے قتل

کے درپے ہوگئے اورآپ اکے رفقاء کو بھی منتشر ہو نے پر مجبور کردیا ، چنانچہ ایک گروہ حبشہ چلا

گیا اور دوسرے مدینہ چلے گئے ، پھر جب یہ حضرات مدینہ میں مقیم ہو گئے ، رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے ، مسلمان آپ اکے پاس اکٹھا ہوگئے ، آپ کی مدد کے لئے اٹھ

کھڑے ہوئے اور مدینہ ان کے لئے دارالاسلام اور محفوظ قلعہ بن گیا ، جس کی مسلمان پناہ لے

سکیں ، تب اللہ تعالیٰ نے دشمنوں سے جہاد مشروع فرمایا۔

اسی لئے فقہاء نے جہاد کے واجب ہونے کے لئے قدرت و استطاعت کی بھی شرط لگائی ہے ، علامہ

علاء الدین کاسانی (م : ۵۸۷) فرماتے :

لا یفترض لا علی القادر علیہ ، فمن لا قدرۃ لہ لا جہاد علیہ لا ٔن الجہا بذل الجہد وہو الوسع والطاقۃ

بالقتال او المبالغۃ فی عمل القتال ، ومن لا وسع لہ کیف یبذل الوسع والعمل ؟ فلا یفرض علی الاعمی

والاعرج والزمن والمقعد والشیخ الہرم والمریض والضعیف والذی لا یجد ما ینفق۔(۱)

جو شخص جہاد کرنے پر قادر ہو ، اسی پر جہاد فرض ہے ، جس کو جہاد کی قدرت نہ ہو ، اس پر جہاد فرض نہیں ؛ اس لئے کہ جہاد جہد (کوشش) صرف کرنے کا نام ہے اور جہد سے مراد جہاد کی طاقت اور اس عمل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی صلاحیت ہے اورجس کو اس کی طاقت ہی نہ ہو وہ کیسے محنت و عمل کر سکتا ہے ؟ لہٰذا نابینا ، لنگڑا ، اپاہج ، معذور ، بہت بوڑھا ، بیمار ، کمزور اوراخراجاتِ جہاد کی گنجائش نہ رکھنے والے پر جہاد فرض نہیں ہے۔

وہ اسی مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے آگے لکھتے :

وعلی ہذا الغزاۃ ذا جاء ہم جمع من المشرکین مالا طاقۃ لہم بہ وخافوہم ان یقتلوہم فلا باس لہم ان ینحازوا لی بعض امصار المسلمین او لی بعض جیوشہم ، والحکم فی ہذا الباب لغالب الرای واکبر الظن دون العدد ، فان غلب علی ظن الغزاۃ انہم یقاومونہم یلزمہم الثبات ون کانوا اقل عدداً منہم ون کان غالب ظنہم انہم یغلبون فلا باس ان ینحازوا الی المسلمین یستعینوا بہم ، وان کانوا اکثر عدداً من الکفرۃ وکذا الواحد

من الغزاۃ لیس معہ سلاح مع اثنین منہم ممن معہ سلاح ، أو مع واحد منہم من الکفرۃ ومعہ سلاح فلا باس ان یولی دبرہ متحیزاً الی فئۃ۔(۲)

اور اسی بنیاد پر اگر اسلامی فوج کا سامنا مشرکین کی ایسی جماعت سے ہوجائے جن سے مقابلہ کی طاقت نہ ہو اور اندیشہ ہو کہ وہ

(۱) بدائع الصنائع : ۵۸۶ (۲) بدائع الصنائع : ۵۸۶۔ ۵۹

ان کو قتل کر ڈالیں گے ، تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ مسلمانوں کے کسی شہر یا کسی فوج کی طرف سمٹ آئیں اور اس مسئلہ میں غالب رائے اور گمان کا اعتبار ہے نہ کہ تعداد کا ، اگر ان فوجوں کو غالب گمان ہو کہ وہ ان کا مقابلہ کر سکتے ، تب ثابت قدمی اختیار کرنا ان پر لازم ہے ، اگر تعداد میں ان سے کم ہوں اور غالب گمان ہو کہ وہ مغلوب ہوجائیں گے تو مسلمانوں کی

طرف کھسک کر آجانے میں کوئی حرج نہیں ؛ تاکہ ان کی مدد حاصل ہوسکے ؛ اگرچہ ان کی تعداد کافروں سے زیادہ ہو ، یہی حکم اس وقت ہے جب ایک نہتا مسلمان فوجی دو مسلح یا ایک مسلح کافر کے مقابلہ میں ہو ، تو پیچھے ہٹ جانے میں — تاکہ اپنی فوج سے جاملے ، — کوئی حرج نہیں۔

جیساکہ علامہ کاسانی کی عبارت سے واضح ہوتا ہے : جہاد کی استطاعت میں ہتھیار بھی شامل ہے ، علامہ حصکفی (م : ۱۰۸۸ھ) اس کو مزید واضح فرماتے　　:

وفی السراج : وشرط لوجوبہ : القدرۃ علی السلاح۔(۱)

سراج نامی کتاب میں ہے : جہاد کے واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ ہتھیار پر قدرت ہو۔

ہتھیار پر قدرت میں ہتھیار کا حاصل ہونا بھی شامل ہے اور ہتھیار چلانے کی تکنیک بھی شامل ہے اور یہ بات بھی شامل ہے کہ اس کے ہتھیار دشمنوں کے ہتھیار کے مقابلہ کے ہوں ، مطلق ہتھیار

مراد نہیں ، توپ اور ٹینک کے مقابلہ میں اگر محض تلوار اور لاٹھی لے کر کوئی شخص چلا جائے تو

یقینا اس کا شمار ہتھیار پر قادر ہونے میں نہیں ہوگا ؛ اسی طرح فقہاء نے

(۱) الدر المختار مع الرد : ۲۰۵٦

جہاد پر قدرت و استطاعت کی تشریح میں انفرادی قدرت کا ذکر کیا ہے ، جیسے صحت مند ہونا ،

معذور نہ ہونا وغیرہ ؛ لیکن موجودہ دور میں جنگ ٹکنالوجی کا مقابلہ بن گئی ہے ، کوئی شخص کتنا بھی

صحت مند ہو ؛ لیکن وہ آتشیں ہتھیار کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتا ؛ اس لئے موجودہ دور میں

قدرت و استطاعت میں جنگ کی ٹکنالوجی کے اعتبار سے دشمن کے مقابلہ کی صلاحیت کا حامل ہونا

بھی داخل ہے ، جس میں ہتھیار ، دشمن کے وسائل و اہداف سے واقف ہونے کی صلاحیت ،

جاسوسی کا نظام وغیرہ سب شامل ؛ کیوں کہ موجودہ دور کی جنگ محض افرادی قوت اور چست

طاقتور فوجیوں کے ذریعہ جیتی نہیں جاسکتی۔

فقہاء نے اس جنگ میں شرکت کو واجب قرار نہیں دیا ہے ، جس میں ہزیمت کا غالب گمان ہو ،

چنانچہ علامہ ابن قدامہ (م : ٦٢٠ھ) فرماتے :

قال احمد : لا یعجبنی ان یخرج مع الامام او القائد ذ عرف بالھزیمۃ و تضییع المسلمین ونما یغزو مع من

لہ شفقۃ وحیطۃ علی المسلمین۔(١)

امام احمد نے کہا : مجھے امام یا سپہ سالار کے ساتھ نکلنا پسند نہیں ہے ، جب کہ شکست کھانا اور

مسلمانوں کا ضائع ہو نا معلوم ہو ، جہاد اس شخص کے ساتھ کرے ، جس میں مسلمانوں کے ساتھ

شفقت اور احتیاط ہو۔

حاصل یہ ہے کہ جہاد کے واجب ؛ بلکہ جائز ہونے کے لئے ضروری ہے کہ :

(لف)	جس قوم سے جہاد کیا جائے ، اس پر اسلام کی دعوت پہنچائی اور دین کی حجت تمام کی جائے۔

(ب)	جہاد ایک قانونی اور اجتماعی عمل ہے ، جو ضروری ہے کہ امیر المسلمین کے تحت ہو ، اپنے طورپر لوگ کسی گروہ پر حملہ بول دیں ، یہ جہاد نہیں۔

(۱)	المغنی : ۱٤۱۳

(ج)	جہاد کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وسائل جہاد مہیا ہوں اور اس میں کامیابی حاصل ہونے کا غالب گمان ہو۔

(د)	جہاد کافروں کے خلاف ہو نہ کہ مسلمانوں کے خلاف یا مسلمان حکومتوں کے خلاف۔

غور کیا جائے تو غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کے حق میں پہلی تینوں شرطیں نہیں پائی جاتیں اور مسلمان ملکوں میں جہاں حکومتوں کے خلاف شورشیں ہوتی اور ان کو جہاد کا نام دیا جاتا ہے ، وہاں بھی اکثر چوتھی شرط نہیں پائی جاتی اور جہاد کے نام پر برادر کشی کا ارتکاب ہوتا ہے۔

دفاع

البتہ یہ احکام اقدامی طورپر جہاد کے لئے ، اگر کسی مسلمان کی جان و مال یا عزت و آبرو پر حملہ ہو یا کسی آبادی میں مسلمان حکومت یا عوام کی اجازت کے بغیر زبردستی دشمن کی فوج داخل ہوجائے ، تو پھر دفاع ہر مسلمان کا فریضہ ہے ؛ کیوں کہ اسے جنگ پر مجبور کردیا گیا ہے ، ایسی صورتِ حال میں امام کی اجازت یا وسائل جنگ کی فراہمی پر جہاد موقوف نہیں ہوگا؛ جو کچھ طاقت میسر ہو ، اس سے مقابلہ کرنے اور دشمن کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی جائے گی ؛ کیوں کہ انھیں اس پر مجبور کردیا گیا ہے ، اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

من قتل دون مالہ فھو شھید ومن قتل دون دینہ ، فھو شھید ، ومن قتل دون دمہ ، فھو شھید ، ومن قتل دون اھلہ ، فھو شھید ۔ (۱)

جو شخص اپنا مال بچانے میں مارا جائے ، وہ شہید ہے ، جو شخص اپنے دین کی حفاظت کی خاطر مارا جائے ، وہ شہید ہے ، جو اپنی

(۱) سنن الترمذی ، کتاب الدیات ، باب فیمن قتل دون مالہ ، فہو شہید ، حدیث نمبر : ۱۴۲۱

جان بچانے میں مارا جائے ، وہ شہید ہے ، جو اپنے اہل و عیال کی حفاظت کی خاطر مارا جائے ، وہ شہید ہے۔

اسی لئے فقہاء نے دفاعی جہاد کے لئے کوئی شرط نہیں رکھی ہے :

... وواجب علی الناس اذا جاء العدو ان ینفروا المقل منھم والمکثر ، ولا یخرجوا الی العدو لا باذن الامیر لا أن

یفجأھم عدو غالب یخافون غلبه ، فلا یمکنھم أن یستاذنوہ ۔ (۱)

لوگوں پر واجب ہے کہ جب دشمن آجائے تو کم و بیش جو بھی تعداد ہو ، نکل جائے ، امیر کی

اجازت کے بغیر دشمن کے مقابلہ میں نہ جائے ، سوائے اس کے کہ زور آور دشمن اچانک آجائے ،

جس کے غالب ہونے کا اندیشہ ہو اور امیر سے اجازت حاصل کرنے کا موقع نہ ہو۔

یہی نقطہ ٔ نظر جمہور فقہاء کا ہے ، چنانچہ الموسوعة الفقھیه میں جمہور کا موقف پیش کرتے ہوئے کہا

گیا ہے :

اذا ھجم العدو علی قوم بغتة فیتعین علیھم الدفع ولوکان مراۃ أو صبیا أو ھجم علی من بقربھم ولیس لھم

قدرۃ علی دفعه ، فیتعین علی من کان بمکان مقارب لھم أن یقاتلوا معھم ن عجز من فجاھم العدو عن الدفع

عن انفسھم ۔ (۲)

دشمن کسی گروہ پر اچانک حملہ آور ہوجائے تو ان پر دفاع کا واجب ہونا متعین ہے ، چاہے عورت یا

ہی کیوں نہ ہو ، اسی

(۱) المغنی : ۳۳۱۳ (۲) الموسوعۃ الفقہیہ : ۱۳۱۱۶

طرح قریب کی کسی مسلمان آبادی پر حملہ ہو اور ان میں مدافعت کی طاقت نہ ہو تو متعین ہے کہ

اچانک حملہ آور ہونے والے دشمن کے مقابلہ سے یہ عاجز ہوں ، تو وہاں سے قریب جو مسلمان

ہوں ، وہ ان کی طرف سے مدافعت کریں۔

غیر مسلم ممالک اور ہجرت

غیر مسلم حکومت کے زیر اقتدار مسلمانوں کے لئے دوسرا امکانی راستہ ' ہجرت ' کا ہوسکتا ہے ،

ہجرت بنیادی طورپر اپنے دین کو بچانے کے لئے ترکِ وطن کرنے کا نام ہے ، اسی صورتِ حال

کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے درمیان مسلمانوں کے قیام کو ناپسند

فرمایا ہے ؛ چنانچہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے ارشاد فرمایا :

من جامع المشرک وسکن معہ ، فانہ مثلہ۔(۱)

جو مشرک کے ساتھ رہن سہن رکھے ، تو وہ اسی کے مثل ہے۔

اسی طرح حضرت جریر بن عبد اللہ سے روایت ہے :

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعث سریۃ الی خثعم ، فاعتصم ناس بالسجود ، فاسرع فیھم القتل ، فبلغ

ذلک النبی صلی اللہ علیہ وسلم ، فامر لھم بنصف العقل وقال : انا بریٔ من کل مسلم یقیم بین اظہر

المشرکین ، قالوا : یا رسول اللہ ! ولم ؟ قال : لا تترایٔ ناراہا۔(۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو خثعم کی طرف فوج بھیجی تو

(۱) ابوداؤد وسکت علیہ ، کتاب الجہاد ، باب فی الاقامۃ بارض الشرک ، حدیث نمبر : ۲۷۸۷

(۲) ترمذی ، کتاب السیر ، باب کراہیۃ المقام بین اظہر المشرکین ، حدیث نمبر : ۱۶۰۴

لوگوں نے سجدہ کر کے بچاؤ کرنا چاہا ؛ مگر فوجی دستہ نے ان کو بھی قتل کر نے میں جلد بازی سے کام لیا ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع پہنچی تو آپ نے ان کے لئے آدھی دیت کا فیصلہ فرمایا اور کہا : میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو کافروں کے درمیاں مقیم ہو ، لو گوں نے عرض کیا : اللہ کے رسول ! ایسا کیوں ؟ آپ نے ارشاد فرمایا : ان دونوں کی آگ ایک دوسرے کو نظر نہ آنی چاہئے۔

خود قرآن مجید میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے ، جو فتح مکہ سے پہلے ہجرت پر قادر تھے؛ لیکن انھوں نے ہجرت نہیں کی ، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

ِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفَّاھُمُ الْمَلاَئِکَةُ ظَالِمِیْ اَنْفُسِھِم ، قَالُوا : فِیْمَ کُنْتُم ۖ قَالُوا : کُنَّا مُسْتَضْعِفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ، قَالُوا : أَلَمْ تَکُنْ

اَرْضُ اللہِ وَاسِعَةً فَتُھَاجِرُوْا فِیْھَا ۚ فَأُولٰئِکَ مَأْوَاھُم جَھَنَّمُ وَسَائَ تْ مَصِیْراً ، ِلاَّ الْمُسْتَضْعِفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ

وَالنِّسَآئِ وَالْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً وَّلَا یَھْتَدُوْنَ سَبِیْلاً ، فَاُولٰئِکَ عَسَی اللہُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْھُم ، وَکَانَ اللہُ عَفُوًّا غَفُوْرًا

۔(۱)

جو لوگ اپنے نفس پر ظلم کر رہے تھے ، ان کی روحیں جب فرشتوں نے قبض کیں ، تو ان سے

پوچھا کہ یہ تم کس حال میں تھے ؟ انھوں نے جواب دیا : ہم زمین میں کمزور و مجبور تھے ،

فرشتوں نے کہا : کیا خدا کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرجاتے ؟ یہ وہ لوگ ،

جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ

(۱) النساء : ۹۷۔۹۹

بڑا ہی برا ٹھکانہ ہے ، ہاں ! جو مرد عورتیں اور بچے واقعی بے بس اور نکلنے کا کوئی راستہ اور ذریعہ نہیں پاتے، بعید نہیں کہ اللہ انھیں معاف کردے ، اللہ بڑا معاف کرنے والا اور درگذر کرنے والا ہے۔

اس آیت اور مذکورہ احادیث کی روشنی میں فقہاء نے ہجرت سے متعلق تین ضروری نکات اخذ کئے :

اول : یہ کہ اگر کسی علاقہ میں مسلمانوں کے لئے احکام دین پر عمل کرنا ممکن نہیں رہے ، تو اب بھی ان کے لئے وہاں سے کسی مسلمان ملک کو ہجرت کرجانا واجب ہے ، چنانچہ علامہ بدر الدین عینی فرماتے :

واما الهجرة عن المواضع التی لایتاتی فیها امرالدین فهی واجبة اتفاقاً۔ (۱)

جہاں احکام دین پر عمل نہیں کرسکتے ، وہاں سے ہجرت کرنا واجب ہے۔

دوسرے : ہجرت ان لوگوں پر واجب ہے ، جو اپنے وطن میں اپنے دین کے بارے میں خود کو

مامون نہیں پاتے ہوں ، چنانچہ حافظ ابن حجر (م : ۸۵۲ھ) کا بیان ہے :

وہذا محمول علی من لم یامن علی دینہ۔(۲)

یہ اس شخص سے متعلق ہے ، جو اپنے دین کے بارے میں مطمئن نہ ہو۔

ابن حجر نے ایک اور موقعہ پر اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ماوردی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ

اگر غیر مسلم ملک میں اپنے دین پر عمل کرنا ممکن ہوتو وہاں اپنے قیام کو باقی رکھنا زیادہ بہتر ہے ؛

تاکہ وہ وہاں داعیانہ کردار ادا کرسکے ، ممکن ہے کہ اس کے ذریعہ دوسروں کو

(۱) عمدۃ القاری : ۷۸۱۰ (۲) فتح الباری : ٤٦٦ ، کتاب الجہاد والسیر

ہدایت حاصل ہو :

والحکم یدور مع علته ، فمقتضاہ أن من قدر علی عبادۃ اللہ فی أیّ موضع اتفق لم تجب علیه الهجرۃ منه ولا

وجبت ، ومن ثم قال الماوردی : اذا قدر علی اظهار الدین فی بلد من بلاد الکفر ، فقد صارت البلد به دار

اسلام ، فالاقامة فیها افضل من الرحلة لما یترجی من دخول غیرہ فی الاسلام ۔ (۱)

حکم اپنی علت سے مربوط ہوتاہے ، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ جو کسی بھی جگہ اللہ کی عبادت کرنے

پر قادر ہو اس پر وہاں سے ہجرت کرنا واجب نہ ہو ، ورنہ ہجرت واجب ہو ؛ اسی لئے ماوردی نے

کہا ہے کہ اگر غیر مسلم ممالک میں سے کسی ملک میں دین کو ظاہر کرنے پر قادر ہو تو اس کی وجہ

سے وہ ملک دارالاسلام بن جاتا ہے ، وہاں اس کا قیام کرنا ہجرت کرنے سے افضل ہے ؛ کیوںکہ

اس کی وجہ سے دوسروں کے اسلام میں آنے کی اُمید ہے۔

خود امام شافعیؒ نے 'کتاب الام ' میں ہجرت کے سلسلے میں جو وضاحت کی ہے ، وہ اس طرح

ہے :

ودلت سنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ان فرض الھجرۃ علی من اطاقھا ، نما ھو علی من فتن عن دینہ

بالبلد الذی یسلم بھا ؛ لان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أذن لقوم بمکۃ أن یقیموا بھا بعد اسلامھم العباس

بن عبد المطلب وغیرہ اذا لم یخافوا

(۱) فتح الباری : ۲۷۰۷، کتاب مناقب الانصار

الفتنة وکان یامر جیوشہ الی ان یقولوا لمن اسلم : ان ھاجرتم ، فلکم ماللمھاجرین وان اقمتم فانتم کاعراب

ولیس یخیرھم فیما لا یحل لھم ۔ (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت اس بات پر دلالت کر تی ہے کہ ہجرت کی فر ضیت ان

لوگوں پر ہے ، جو اس کی طاقت رکھتے ہوں ، جو اپنے دین کے سلسلہ میں کسی شہر میں ابتلاء سے

دوچار ہو ، اس کے لئے ایسی جگہ ہجرت فرض ہے ، جہاں وہ اپنے دین کو بچاسکے ؛ اس لئے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے کچھ لوگوں — حضرت عباس بن عبد المطلب وغیرہ — کو

مکہ میں قیام کی اجازت دی ، جن کو فتنہ کا اندیشہ نہیں تھا اور آپ فوج کو اسلام قبول کرنے والوں

سے یہ کہنے کی ہدایت فرماتے تھے کہ اگر تم ہجرت کروگے تو تم کو وہی حقوق حاصل ہوں گے ،

جو دوسرے مہاجرین کو اور اگر تم اپنی جگہ ہی پر رہوگے تو دیہات والوں کی طرح شمار کئے

جاؤگے اورآپ ایسی بات کا اختیار نہیں دے سکتے تھے جو جائز نہ ہو۔

نیز مولانا ظفر احمد عثمانی نے علامہ شوکانی کے حوالہ سے نقل کیا ہے :

وقد حکی فی البحر : ان الہجرۃ عن دار الکفر واجبۃ اجماعاً حیث حمل علی معصیۃ فعل او ترک او طلبہ

الامام تقویۃ لسلطانہ۔(۲)

البحر الرائق میں نقل کیا گیا ہے کہ دارالکفر سے اس وقت بالاتفاق ہجرت کرنا واجب ہے ، جب کہ

اس کو کسی کام کے

(۱) اعلاء السنن : ۱۶۶۱۲ ، من جامع المشرک وسکن معہ فانہ مثلہ

(۲) اعلاء السنن : ۱۶۶۱۲

کرنے یا نہ کرنے میں گناہ پر مجبور کیا جائے یا امام المسلمین نے اس کو اپنی تقویت کے لئے طلب کیا ہو۔

تیسری بات جو قرآن مجید کی مذکورہ آیات سے صراحتاً ثابت ہوتی ہے ، وہ یہ ہے کہ وہ لوگ ہجرت کرنے پر قادر بھی ہوں ، جو لوگ ہجرت پر قادر ہی نہ ہوں ، ظاہر ہے کہ ان پر ہجرت واجب ہی نہیں ہوگی :

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔(۱)

اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کی وسعت کے بقدر ہی مکلف بناتا ہے۔

پہلے زمانہ میں لوگوں کے لئے دشمنوں کے درمیان سے نکلنے کا مسئلہ دشوار تھا ، اپنے ہم فکر لوگوں کے درمیان بسنے کا مسئلہ چنداں دشوار نہیں تھا ؛ کیوں کہ آج کی طرح ویزا اورپاسپورٹ کا لزوم نہیں تھا ، لوگ اپنی مرضی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ جایا کرتے تھے ، موجودہ دور میں ہجرت پر قادر ہونا اس وقت متحقق ہوگا ، جب کہ وہ اپنے وطن سے نکلنے پر بھی قادر ہو اور کسی مسلمان ملک کی پناہ حاصل ہونے کا بھی اسے یقین ہو ، اگر دوسرے ممالک اسے پناہ دینے اور اپنے یہاں اسے اقامت کا حق دینے کو تیار نہیں ہوں ، تو وہ بھی ہجرت سے عاجز سمجھے جائیں گے۔

چنانچہ علامہ ابن قدامہ مقدسی (م : ٦٢٠ھ) نے ہجرت سے متعلق مسلمانوں کے مختلف احوال اور قرآن و حدیث سے مستنبط ہونے والے احکام کو سامنے رکھ کر تین صورتیں بتائی :

فالناس فی الهجرة علی ثلاثة اضرب : احدها : من تجب علیه وهو من یقدر علیها ولا یمکنه اظهار دینه ، أولا تمکنه اقامة واجبات دینه مع المقام بین الکفار فهذا تجب علیه الهجرة گ الثانی : من لا هجرة

(۱) البقرۃ : ۲۸٦

علیه وهو من یعجزعنها ما لمرض أو اکراه علی الاقامة او ضعف ، من النساء والولدان وشبههم ، فهذا لا هجرة علیه گ ولا توصف باستحباب ، لأنها غیر مقدور علیها ، والثالث : من تستحب له ولا تجب علیه ، وهو من یقدر علیها لکنه یتمکن من اظهار دینه واقامته فی دار الکفر ، فتستحب له ، لیتمکن من جهادهم وتکثیر المسلمین ومعونتهم ویتخلص من تکثیر الکفار ومخالطتهم ورویة المنکر بینهم ولا تجب علیه لامکان اقامة واجب دینه بدون الهجرة ، وقد کان العباس عم النبی صلی الله علیه وسلم مقیما بمکة مع اسلامه ، وروینا ان نعیم النحام حین اراد أن یهاجر جاءه قومه بنوعدی ، فقالوا له : أقم عندنا ، وأنت علی دینك ونحن نمنعك ممن یرید أذاك واکفنا ماکنت تکفینا ، وکان یقوم بیتامی بنی عدی وارامله‌م ، فتخلف عن الهجرة مدة ثم هاجر بعد ۔ (۱)

ہجرت کے حکم کے اعتبار سے لوگوں کی تین قسمیں : ایک وہ جن پر ہجرت واجب ہے ، یہ وہ

جو ہجرت کر نے پر قادر ہو ں ، ان کے لئے اپنے دین کو ظاہر کرنا ممکن نہ ہو یا غیر مسلموں

کے درمیان وہ اپنے د واجبات کو ادا نہیں کرسکتے ہوں ،ان پر ہجرت واجب ہے ... دوسرے : وہ

لوگ جن پر ہجرت واجب نہیں اور یہ وہ جو بیماری ، و مقیم

(۱) ملخصاً من المغنی : ۱۵۱۱۳ـ ۱۵۲

رہنے پر مجبور کئے جانے یا ضعیف ہونے کی وجہ سے ہجرت کرنے سے عاجز ہوں ، یعنی عورتیں ،

بچے وغیرہ ، ان پر ہجرت واجب نہیں ... اور ان کے لئے مستحب بھی نہیں ؛ کیوں کہ وہ اس پر قادر

نہیں ، تیسرے : وہ لوگ جن کے لئے ہجرت کرنا مستحب ہے ، واجب نہیں ، ... اور یہ وہ

لوگ جو ہجرت کرنے پر قادر تو ؛ لیکن ان کے لئے دارالکفر میں اپنے دین کو ظاہر کرنا اور

مقیم رہنا ممکن ہے ، تو ان کے لئے ہجرت مستحب ہے ؛ تاکہ جہاد کرسکیں ، مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کرسکیں ، ان کی مدد کرسکیں ، غیر مسلموں کی اکثریت اور ان کے ساتھ رہن سہن سے بچ سکیں اور ان کے درمیان رہتے ہوئے خلاف شرع باتوں کو دیکھنا نہ پڑے ؛ البتہ ہجرت واجب نہیں ہے ؛ اس لئے کہ وہ ہجرت کے بغیر بھی اپنے دینی واجبات کو ادا کرسکتے ؛ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس ص مسلمان ہونے کے باوجود مکہ میں مقیم تھے اور ہم نقل کرچکے کہ نعیم نحام نے جب ہجرت کرنا چاہا تو ان کی قوم بنو عدی کے لوگ آگئے کہ تم اپنے دین پر رہتے ہوئے یہیں قیام کرو ، جو تم کو تکلیف پہنچانا چاہے گا ، ہم اس سے تمہاری حفاظت کریں گے اور جو حسن سلوک تم کرتے تھے ، وہ کرتے رہو ؛ کیوں کہ وہ بنو عدی کے یتیموں اور بیواؤں کی ضرورتیں پوری فرماتے تھے ؛ چنانچہ ایک مدت تک وہ ہجرت سے رکے رہے ، پھر بعد میں ہجرت کی۔

موجودہ دور میں جو مسلمان غیر مسلم ممالک کے زیر حکومت ، ان کے سلسلے میں دو نکات قابل

توجہ : اول یہ کہ آج کل زیادہ تر ملکوں میں جمہوری نظام قائم ہے ، جس کی بنیاد اس بات پر

ہے کہ مذہب لوگوں کا نجی معاملہ ہے اور ہر گروہ کو اپنے عقیدہ اور اپنے مذہب کے مطابق عمل

کرنے کی گنجائش ہے ، دنیا کے اکثر ممالک وہ ، جنھوں نے انسانی حقوق کے بین الاقوامی چارٹ

کو قبول کیا ہے اور اس بنیاد پر وہ اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کرنے پر پابند ؛ بلکہ بہت سے

غیر مسلم اکثریت ممالک وہ ، جہاں دعوتِ دین کے وسیع مواقع اور مسلمان اقلیتوں کی

کوششوں سے اسلام دوسرا بڑا مذہب بن چکا ہے اورعام طورپر مسلمانوں کو اپنی جان و مال اور عزت

و آبرو کے معاملہ میں قانونی تحفظ حاصل ہے ؛ بلکہ بہت سے مسلمان ، مسلم ممالک سے زیادہ ان

ملکوں میں اپنے لئے امن و عافیت محسوس کرتے ، ظاہر کہ ان حالات میں مسلمانوں کے لئے

وہاں سے ہجرت کرنا واجب نہیں ؛ بلکہ اگر وہ داعیانہ جذبہ کے ساتھ وہاں مقیم ر ، تو علامہ

ماوردی کے بہ قول ان کا اسی ملک میں مقیم رہنا مستحب ہے — دوسرا قابل توجہ پہلو یہ ہے کہ

مغرب نے مسلمانوں کے درمیان کچھ اس طرح قومیت کا فتنہ اُبھارا ہے ، نیز نسلی ، لسانی اور جغرافیائی عصبیتوں کو جنم دیا ہے کہ اب مسلمان اپنے اپنے علاقوں کی سرحدوں کو خدا کی طرف سے کھینچی ہوئی لکیر تصور کرنے لگے اور اسلامی اخوت کا جذبہ کمزور پڑ گیا ہے ، ان حالات میں غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے لئے یہ بات ممکن نہیں ہے کہ وہ مسلم ممالک کی طرف ہجرت کرسکیں ؛ لہٰذا موجودہ دور میں علی العموم مسلمان اقلیتیں ہجرت کا راستہ اختیار نہیں کرسکتیں۔

دعوتِ دین — واحد راستہ

تیسرا راستہ جو مسلمان اقلیتوں کے لئے موجودہ حالات میں واحد راستہ ہے ، وہ ہے دعوتِ دین اور تبلیغ اسلام کا راستہ ، ظاہر ہے کہ اس کے لئے زمان و مکان کی کوئی قید نہیں ، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ موجودہ عہد نے دعوت کے وسیع مواقع پیدا کردیئے اور خاص طورپر مسلمانوں

کے لئے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا نیا راستہ کھل گیا ہے ، اس سلسلے میں چند نکات خاص طورپر

قابل توجہ ہے :

۱۔ آج دنیا کےتقریباً سبھی ممالک میں تبلیغ مذہب کی آزادی کے حق کو تسلیم کیا گیا ہے اور ایسی

جمہوریت کو آئیڈیل نظام حکومت مانا گیا ہے ، جس میں عوام کو کسی ایک مذہب پر قائم رکھنے کا

پابند نہیں بنایا جاتا ہو ، اس کے برخلاف آج سے چند صدی پیشتر حکومتوں کا مذہب متعین ہوتا تھا ،

اس کے مقابلے میں کسی اور مذہب کے تبلیغ کی اجازت نہیں دی جاتی تھی ، — اس کی وجہ سے

مسلمان اقلیتوں کے لئے غیر مسلم ممالک میں دعوتِ دین کی بڑی گنجائش پیدا ہوگئی ہے ، چنانچہ

افریقہ کے بہت سے ملکوں میں مسلمان اکثریت بن چکے ، امریکہ ، برطانیہ ، فرانس اور متعدد

مغربی ملکوں میں آج اسلام دوسرا بڑا مذہب ہے ، ہندوستان میں خاطر خواہ کوشش نہ ہونے کے

باوجود اسلام قبول کرنے کی رفتار خاصی تیز ہے اور ان کی آبادی حقیقی معنوں میں بیس فیصد اور

سرکاری اعداد و شمار کے مطابق چودہ فیصد ہے۔

۲۔ تعلیمی ترقی کی وجہ سے لوگوں کے سوچنے کا انداز بدل گیا ہے ، پہلے لوگ مذہب کے بارے

میں زیادہ غور و فکر سے کام نہیں لیتے تھے اور بغیر سمجھے بوجھے اپنے مذہب پر جمے رہتے تھے ،

اب ہر چیز کو و دانش کی کسوٹی پر پرکھنے کا مزاج پیدا ہوا ہے ؛ اس لئے نئی نسل کھلے ذہن

کے ساتھ مذاہب کو سمجھنے کی کوشش کرتی ہے ، اور مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرتی ہے ، یہ چیزانھیں

اسلام کی طرف لارہی ہے۔

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگوں کو آپ ا سے دور رکھنے کے لئے زبردست

پیروپیگنڈہ مہم چلائی گئی تھی اور آپ ا کو بدنام کرنے کے لئے ــ نعوذ باللہ ــ آپ ا کے دشمن

آپ ا کو " محمد " (قابل تعریف) کے بجائے " مذمم " (قابل مذمت) کہتے تھے اور لوگوں کو

آپ ا کی ملاقات سے منع کرتے تھے ، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں میں اسلام اور پیغمبر اسلام صلی

اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تجسس بڑھ گیا اوریہی تجسس بہت سے لوگوں کے لئے قبول اسلام کا

سبب بنا ، اس وقت بھی عالمی سطح پر یہی صورت ِحال پیدا ہوگئی ہے ، صہیونی اور صلیبی طاقتیں

اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لئے پوری دنیامیں پروپیگنڈہ مہم چلا رہی ہے اور اس کے لئے

ترقی یافتہ ذرائع ابلاغ کا بھرپور استعمال بھی کررہی ہے ، اس سے جہاں ایک طرف اسلام اور

مسلمانوں کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا ہوئی ، و دوسری طرف اسلام کو سمجھنے اور قرآن

مجید کا مطالعہ کرنے کی ایک عام سوچ پوری دنیا کی سطح پر اُبھری ہے اور اس طرح بہت سے لوگ

کہ جن پر کسی نے اسلام کی دعوت پیش نہیں کی ؛ لیکن اسلام کا مطالعہ انھیں دامن اسلام میں

لے آیا ہے اور ۱۱ ستمبر کے واقعہ کے بعد خاص طورپر لوگوں کی بہت بڑی تعداد نے مغرب میں

اسلام قبول کیا ہے۔

٤۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام دین فطرت ہے ، اس کی تعلیمات عقل و مشاہدہ اور فطرتِ انسانی سے پوری طرح ہم آہنگ ؛ اسی لئے اس میں ہر عہد کے مسائل کے حل کرنے کی پوری پوری صلاحیت ہے ، دنیا کے دوسرے مذاہب چوں کہ انسانی آمیزش سے محفوظ نہیں رہ سکے ؛ اس لئے ان کی بہت سی تعلیمات فطرتِ انسانی سے متصادم اور عقل ومشاہدہ کے خلاف ، یہ وہ چیز ہے ، جو لوگوں کو اسلام کی طرف کھینچتی اور اس کی عظمت کا قائل بناتی ہے۔

٥۔ آج دنیا میں مذاہب ، ان میں کوئی نہیں ، جو انسانی مساوات و برابری کے سلسلے میں انصاف کی کسوٹی پر پورا اُترتا ہو ، بائبل اسرائیلی اور غیر اسرائیلی میں فرق کرتی ہے ، ہندو مذہب میں پیدائشی اونچ نیچ کا نہایت گہرا اور غیر منصفانہ تصور موجود ہے ، گو سفید فام اور سیاہ فام لوگوں کے درمیان تفریق قانونی طورپر قریب قریب پوری دنیا سے ختم کردی گئی ہے ؛ لیکن غیر معلنہ طورپر عملاً ابھی بھی یہ تفریق موجود ہے ، اسلام ایسا دینِ عمل ہے ، جس میں رنگ و نسل اور

زبان و علاقہ کے بنا پر کوئی تفریق نہیں ہے ؛ بلکہ کرامت و شرافت کی بنیاد تقویٰ ہے " لا فضل

لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لأسود علی احمر الا بالتقویٰ ن أکرمکم عند اللہ

اتقاکم" (۱)

(۱)　شعب الایمان للبیہقی ، حدیث نمبر : ۵۱۳۷

ـــ اس کی وجہ سے افریقی اور مغربی ممالک میں سیاہ فام لوگ اور ہندوستان میں پسماندہ اقوام کا

اسلام کی طرف زبردست رجحان پایا جاتا ہے اور اگر سنجیدہ کوشش کی جائے ، تو اس کے گہرے اور

مفید اثرات مرتب ہوسکتے　۔

٦۔ اسلام سے متاثر ہونے کا ایک اہم سبب قانونِ شریعت کا اعتدال بھی ہے ، دنیا کے دو بڑے

مذاہب ہندو مت اور عیسائیت میں طلاق ، خلع اور بیوہ و مطلقہ عورتوں کے نکاح کا کوئی تصور نہیں

تھا ، بیشتر مذاہب میں عورتوں کو میراث نہیں دی جاتی تھی ، اسی طرح لڑکیاں اپنی مرضی سے رشتہ کا انتخاب نہیں کرسکتی تھیں ؛ بلکہ ان کے والدین ان پر اپنی مرضی مسلط کرنے میں حق بہ جانب سمجھے جاتے تھے ، دوسری طرف موجودہ مغربی تہذیب نے آزادی کے نام پر عورتوں کو گھر سے باہر نکالا اور وہ ذمہ داریاں بھی ان سے متعلق کردیں ، جو فطرت نے مردوں پر رکھی تھیں ، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خاندانی نظام بکھر گیا ، طلاق کی شرح بڑھ گئی ، نکاح کی شرح کم ہوگئی اور شرحِ پیدائش میں ایسا انحطاط آگیا کہ مغرب کی بعض نسلیں ختم ہونے کے قریب ۔

اس کے برخلاف شریعت اسلامی افراط و تفریط سے پاک اور اعتدال پر مبنی ہے ، جس میں مردوں اور عورتوں ، آجرین اور مزدوروں کے حقوق نہایت انصاف کے ساتھ متعین کئے گئے ، جس میں مرد اور خواتین دونوں کو پرسکون زندگی حاصل ہوتی ہے ، اسلامی تعلیمات کا یہ پہلو خاص کر

خواتین کو بہت متاثر کرتا ہے اور اسی لئے اس وقت دنیا میں عورتوں کے اسلام قبول کرنے کا

تناسب مردوں سے زیادہ ہے۔

ظاہر ہے اسلام کی یہ خصوصیات اول روز سے ؛ لیکن موجودہ دور کے سیاسی نظام اور ذرائع

ابلاغ کی ترقی نے اسلام کے ان امتیازی پہلوؤں کو برادرانِ انسانیت تک پہنچانا آسان کردیا ہے ؛ اس

لئے ضرورت ہے کہ جہاں مسلمان اقلیت میں یا کسی وجہ سے غیر مسلم حکومتوں کے زیر سایہ

زندگی گزار رہے ، وہاں اصل توجہ دعوتِ دین پر دی جائے ، تو انشاء اللہ انھیں اللہ تعالیٰ کے

ارشاد : " بَلِّغۡ مَا أُنزِلَ إِلَيۡكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ" (۱)

کے مطابق دوسری اقوام سے تحفظ بھی حاصل ہوگا ، اسلام کی اشاعت بھی ہوگی اور یہ بھی ممکن

ہے کہ بتدریج وہ اس ملک کی غالب طاقت بن جائیں ، جیساکہ ملیشیا ، انڈونیشیا اور بعض دوسرے

ملکوں میں ہوا۔

دعوتِ دین اور عالم اسلام کی ذمہ داری

دعوتِ دین کے سلسلے میں عالم اسلام کی حکومتوں اور عوام کی بھی بڑی ذمہ داریاں ، اللہ کا شکر ہے کہ عالم اسلام کے پاس بہترین قدرتی وسائل ، ان کا فریضہ ہے کہ وہ ان وسائل سے ایک طرف اپنے ملک کی غیر مسلم اقلیت اور غیر مسلم تارکین وطن میں دعوت کا کام کریں اور اسلام قبول کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کریں ، دوسری طرف غیر مسلم ممالک کی مسلمان اقلیت کا اس کام کے لئے فراخدلانہ تعاون کریں ؛ تاکہ وہاں خدمت خلق کے ادارے قائم کئے جاسکیں ، درسگا قائم ہوں ، نیز براہ راست اور بالواسطہ دعوت کے کام کو فروغ حاصل ہو ، حقیقت یہ ہے کہ جن غیر مسلم ممالک میں مذہبی آزادی حاصل ہے اور جس کی بنیاد سیکولرزم پر ہے ، وہاں اگر مسلمانوں کی مالی مدد کی جائے اور ان کی دعوتی کوششوں کی حوصلہ افزائی ہو تو اسلام کی اشاعت کا نمایاں کام ہوسکتا ہے۔

مسلم ممالک کو اس سلسلہ میں عیسائی دنیا کی مثال سامنے رکھنی چاہئے ، عیسائی ممالک کی حکومتیں ، وہاں کے اہل ثروت اور وہاں کے خیراتی ادارے عیسائی مشنریز کا بے حد تعاون کرتے ، اس کا نتیجہ ہے کہ ہندوستان — جس کے طول و عرض میں عیسائیوں کا کوئی وجود نہیں تھا ، — کی کم سے کم چار ریاستیں عیسائی اکثریت ریاستوں میں تبدیل ہوچکی اور متعدد ریاستوں میں عیسائیوں کی آبادی اس مقام پر پہنچ گئی ہے کہ ان کی سیاسی اہمیت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ، اس کا بنیادی سبب خدمت خلق ، غریب بچوں کے لئے مفت تعلیم کا انتظام اور مشنریز کے ان کاموں کے لئے مغربی ملکوں کی طرف سے بیش قیمت

(۱) المائدۃ : ٦٧

اعانتوں کی فراہمی ہے ، اس لئے عالم اسلام کو اس سلسلے میں سوچنا چاہئے اور مشترک طورپر اس

کے لئے منصوبہ بندی کرنی چاہئے۔

دعوت کس بات کی دی جائے ؟

دعوت کے سلسلے میں ایک اہم اور قابل توجہ امر یہ ہے کہ دعوت کس بات کی دی جائے ؟ افسوس

کہ ہمارے زمانہ میں لوگوں نے دین کی دعوت دینے کے بجائے اپنے اپنے مسلک کی دعوت د

شروع کردی ہے ، بعض فروعی مسائل کی تبلیغ کرتے اور اسی کو تبلیغ دین سمجھتے ، حالاں کہ

دعوت تو اُصولِ دین کی ہے ، جیسے : توحید ، رسالت ، آخرت ، قرآن پر ایمان ، اقامتِ صلوٰ ۃ ،

ایتائے زکوٰ ۃ وغیرہ ؛ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فروعی مسائل پر بیعت نہیں لیتے تھے ؛ بلکہ

ایمانیات اور بنیادی فرائض و محرمات کے سلسلے میں بیعت لیا کرتے تھے ، اس سلسلہ میں کثرت سے

احادیث مروی ، یہاں ان کا ذکر طولِ کلام کا باعث ہوگا ، اسی طرح قرآن مجید میں جہاں بھی

انبیاء کی دعوت کا ذکر ہے ، اس میں توحید ، شرک اور بعض مسلّمہ برائیوں سے اجتناب کی تلقین کی گئی ہے۔

غیر مسلموں میں دعوت

دوسرا قابل توجہ پہلو یہ ہے کہ مسلمانوں میں اصلاح و ارشاد کا جو کام ہورہا ہے ، بہت سے لوگوں نے فریضۂ دعوت کی ادائیگی کے لئے اس کو کافی سمجھ لیا ہے ، یہ بھی بنیادی غلط فہمی ہے ، اس میں شبہ نہیں کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو عقیدہ و عمل کے انحراف سے بچائے ، یہ بھی فی الجملہ دعوتِ دین میں شامل ہے ، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات سے بھی عمل صالح کی بیعت لی ہے ، جو پہلے سے مسلمان تھے ، خود مسلمانوں کو ایمان پر استقامت کی دعوت دیتے ہوئے کہا گیا : " یا اَیُّھا الذِّیْنَ آمِنُوْا اٰمِنُوْ" (۱) قرآن مجید نے مسلمانوں کو آپس میں بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا ہے :

(۱) النساء : ۱۳٦

وَالْمُؤمِنُونَ وَالْمُؤمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآئُ بَعْضٍ ، يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيعُونَ اللهَ وَرَسُوْلَه ، أُولٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللهُ اِنَّ اللهَ عَزِيْزٌ حَكِيمٌ ۔ (۱)

مومن مرد اور مومن عورتیں ، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ، بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ، نماز قائم کرتے زکوٰۃ دیتے اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ، یہ وہ لوگ جن پر اللہ کی رحمت نازل ہوکر رہے گی ، یقیناً اللہ سب پر غالب اور حکیم و دانا ہے۔

لیکن یہ سمجھنا کہ فریضۂ دعوت کو ادا کرنے کے لئے یہی کافی ہے قطعاً درست نہیں ، حقیقت یہ ہے کہ دعوتِ دین کے اصل مخاطب کفار و مشرکین ؛ کیوں کہ :

(لف) قرآن مجید میں جن انبیاء اور ان کی اقوام کا ذکر آیا ہے ، اگر ان کا مطالعہ کیا جائے اور قرآن میں انبیاء اور ان کی اقوام کے جو مکالمات مذکور ، ان کو دیکھا جائے تو صاف م ہوتا ہے کہ اسی فیصد سے بھی زیادہ ان کے مخاطب ان کے عہد کے کفار ومشرکین تھے۔

(ب) خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ۲۳ سالہ عہدِ نبوت میں ابتداء نبوت سے فتح مکہ بلکہ حجۃ الوداع تک مشرک قبائل ہی میں دعوتی کوششیں فرمائیں۔

(ج) اگر ایک شخص کی بیماری معمولی ہو اور دوسرا شخص زیادہ بیمار ہو ، تو فطری طورپر انسان پہلے زیادہ بیمار شخص کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور یقینا کفر کی بیماری فسق عملی سے کہیں بڑھ کر ہے ؛کیوںکہ کافر کتنے بھی اچھے عمل کرے ، وہ دوزخ سے بچ نہیں سکتا اور مومن کے اعمال کتنے بھی خراب ہوں ، وہ انجام کار انشاء اللہ جنت میں داخل ہوگا۔

(۱) التوبہ : ۷۱

(د) قرآن مجید میں بہت سے مواقع پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا گیا ہے اور سب سے بڑا معروف " ایمان باللہ " ہے اور سب سے بڑا " کفر و شرک " ؛ اسی لئے بعض اہل علم کے نزدیک تو قرآن میں جہاں بھی معروف کا لفظ کہا جائے ، وہاں ایمان مراد ہوتا ہے اور جہاں بھی کا ذکر آئے ، وہاں اس سے کفر مراد لیا جاتا ہے ؛ چنانچہ علامہ قرطبیؒ فرماتے :

قوله تعالیٰ "یامرون بالمعروف" ای بعبادة الله وتوحیده وکل ما اتبع ذلك : "وینهون عن المنکر" عن عبادة الاوثان وکل ما اتبع ذلك ، وذکر الطبری عن ابی العالیه انه قال کل ما ذکر الله فی القرآن من الامر بالمعروف والنهی عن المنکر ، فهو النهی عن عبادة الاوثان والشیاطین ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد : " یامرون بالمعروف"سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی عبادت ، توحید اور جو باتیں اس کے تابع ، اس کا حکم دیتے اور "ینہون عن المنکر" سے مراد یہ ہے کہ بتوں کی

پرستش وغیرہ سے منع کرتے اور طبری نے ابو العالیہ سے نقل کیا ہے کہ قرآن میں جہاں بھی

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم ہے ، بتوں اور شیطانوں کی پوجا سے روکنا ہی مقصود ہے۔

لہٰذا جن اُمور کی دعوت دی جائے ، ان میں دو باتیں بنیادی اہمیت کی حامل ، ایک یہ کہ

دعوت اُصولِ دین کی طرف دی جائے ، اپنے مذہب و مسلک کی طرف نہیں ، دوسرے : دعوتِ

دین کے اصل مخاطب وہ لوگ ، جو ابھی دامن اسلام میں نہیں آئے ، مسلمانوں میں

دعوت کو فرئضہٗ دعوت کی ادائیگی کے لئے کافی نہیں سمجھا جائے۔

اس سلسلہ میں ممتاز صاحبِ علم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کا

(۱) تفسیر طبری : ۲۰۳۸

ایک اقتباس نقل کرنا مناسب ہوگا :

تبلیغ تو اصل میں اسے ہی کہیں گے ، جس کو آپ پوچھ رہے ، تبلیغ احکام حقیقۃً تبلیغ نہیں ہے

، اسے مجازاً تبلیغ کہا جاتا ہے ، حقیقت میں تبلیغ اس کا نام ہے کہ غیر مسلموں کو دائرہ اسلام میں

داخل ہونے کی دعوت دی جائے۔(۱)

بعض حضرات نے ' الحال ' غیر مسلموں میں دعوت کے کام کو ضروری نہیں سمجھتے ، اس کے مقابلہ

میں مسلمانوں میں دعوت کے کام کو ضروری یا زیادہ ضروری سمجھتے ، ان کی طرف سے دو باتیں

خاص طورپر کہی جاتی ، اول : یہ کہ اصل مسلمانوں کے اعمال کا درست ہونا ہے ، ان کے

اعمال درست ہوگئے تو خود بہ خود غیر مسلم دامن اسلام میں آنے لگیں گے ، دوسرے : " عبس

وتّٰی ' " والی آیت سے استدلال کیا جاتا ہے ، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ

بن مکتوم ص کی طرف سے رُخ موڑ کر رؤساء قریش کی طرف توجہ کی تو اللہ کی طرف سے عتاب

آگیا ، اس سے م ہوا کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر غیر مسلموں میں دعوت کا کام کرنا مناسب نہیں۔

مگر یہ دونوں باتیں محض غلط فہمی پر مبنی ، پہلی بات اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اشاعت دین کے لئے بنیادی طورپر دعوت کا حکم دیا ہے نہ کہ صرف اپنے اعمال کی اصلاح کا ، چنانچہ ارشاد ہے : " كُنتُم خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ " (۲) اگر دعوت ضروری نہ ہوتی اور مسلمانوں کا اپنے اعمال کی اصلاح کرلینا کافی ہوتا تو اسی کا حکم دیا گیا ہوتا ، دوسرے : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے بڑھ کر اعمالِ صالحہ کس کے ہوسکتے ، مگر اس کے باوجود اشاعت اسلام کے لئے یہ

بات کافی نہ ہوسکی ؛ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ نے سخت دعوتی جدوجہد فرمائی

(۱) دو اہم مسئلے ، یعنی تبلیغ کی اہمیت اور تبلیغ سے تعلیم کا جوڑ : ٤٨ ، ناشر : مدرسہ تعلیم القرآن لپڑی ، جونپور : ١٤١٥ھ

(۲) آلِ عمران : ۱۱۰

اوراس راستہ میں ناقابل بیان مشقتیں اور تکلیفیں اُٹھائیں ، تب جاکر اسلام پھیل سکا ، اس سے

م ہوا کہ صرف مسلمانوں کے اعمال کا درست ہوجانا اشاعت اسلام کے لئے کافی نہیں ؛ بلکہ

باضابطہ دعوت و تبلیغ ضروری ہے ، جیساکہ انبیاء کرام کرتے رہے ۔

دوسری بات اس لئے غلط ہے کہ قرآن مجید میں کہیں یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کی بجائے غیر

مسلموں میں دعوتی کوشش پر اللہ تعالیٰ کا عتاب ہوا ہے ، اصل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن اُم

مکتوم ص غلام بھی تھے اور نابینا بھی ، مادہ پرست لوگ ایسے افراد کو حقیر سمجھتے ہی ، رؤساء

قریش ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کو اپنے جھوٹے وقار کے خلاف سمجھتے تھے ، جب رؤساء قریش

سے گفتگو کے درمیان صحابی رسول نے ایک سوال کردیا اور رؤساء قریش نے کہا کہ اسی لئے ہم

لوگ آپ کی بات سننا نہیں چاہتے ، تو آپ کو خیال ہوا کہ کاش ! ابھی یہ سوال نہ کرتے تو

ہوسکتا تھا کہ یہ گمراہ لوگ میری بات سن کر دامن اسلام میں آجاتے ، اس لئے آپ کو کچھ ناگواری ہوئی ، اسی پر اللہ کی طرف سے تنبیہ کی گئی ، اس کا منشاء صرف یہ ہے کہ کوئی شخص معذور ہو ، دنیوی اعتبار سے جاہ و مرتبہ نہ رکھتا ہوتو اس سے بے رُخی کے ساتھ پیش نہ آنا چاہئے ؛ کیوں کہ اللہ کے یہاں انسان کی عزت اس کے اعمال سے ہے نہ کہ ظاہری شوکت و حشمت سے ، ظاہر ہے اس آیت میں مسلمانوں کے بجائے غیر مسلموں میں دعوت کے کام سے ممانعت کا دور دور تک کوئی ذکر نہیں اور اگر اس کا یہی منشاء ہوتا تو اس واقعہ کے بعد آپ مشرکین و اہل کتاب میں دعوت کی جدوجہد چھوڑکر صرف ان صحابہ کی تربیت میں یکسو ہوجاتے جو مسلمان ہوچکے تھے ، مگر آپ اکی وفات تک ایسا نہیں ہوا۔

دعوت کے وسائل اور عصر حاضر

یہ بات بھی اہم ہے کہ دعوت دین کے لئے موجودہ دور میں کن وسائل کو اختیار کیا جائے ؟ —

اس سلسلہ میں چند اُمور قابل ذکر :

(لف) سب سے اہم کام مبلغین کی تیاری کا ہے ، رسول اللہ ا کے ہاتھ پر جو صحابی ایمان لاتے ،

آپ اان میں ایک داعی کی حرارت پیدا کردیتے ؛ اسی لئے ہم دیکھتے کہ حضرت ابوبکر صایمان

لائے اور فوراً انھوں نے اپنےحلقہ ٔ احباب میں دعوت ِدین کا کام شروع کردیا اور کئی لوگ ان کی

کوششوں سے ایمان لائے ، حضرت عثمان غنی ص مسلمان ہوئے ، تو بہت سے لوگوں نے ان کے

ہاتھ پر اسلام قبول کیا ، بعض دفعہ ایسا ہوا کہ قبیلہ کا ایک شخص آپ اکے ہاتھ پر مسلمان ہوا اور

اس کی کوششوں سے پورا قبیلہ اسلام کی آغوش میں آگیا۔

یہ اصل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اور آپ ا کی طرف سے افراد سازی کی

زبردست کوشش کا نتیجہ تھا ، آج بھی دعوتِ اسلام کے لئے سب سے بڑی ضرورت دعاۃ کی تیاری

ہے ، جو لوگوں تک موجودہ زمانے کے اُسلوب میں ، مخاطب کی استعداد کو سامنے رکھتے ہوئے سمجھانے اور اپنی بات پہنچانے کا ملکہ رکھتے ہوں۔

(ب) دوسرا ضروری کام دعوتی لٹریچر کی تیاری کا ہے ، جس میں مخاطب کی نفسیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے بات کی جائے ، بحمد اللہ اس سلسلہ میں حکومتی ، جماعتی اور انفرادی سطح پر عالم اسلام ، برصغیر اور مغربی ممالک میں نمایاں کام ہوا ہے ؛ لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اسے دنیا کی مختلف زبانوں میں لوگوں تک پہنچائیں ، اللہ کا شکر ہے کہ دنیا کی بہت سی زبانوں میں قرآن مجید کا ترجمہ ہوا ہے اور اس سلسلے میں " مجمع الملک فہد مدینہ منورہ " کی خدمات بہت نمایاں ہے ؛ لیکن ابھی بھی بہت سی زبانیں ، جن میں قرآن مجید کا ترجمہ نہیں ہوپایا ہے ، عالم اسلام کو خاص طور پر اس جانب توجہ کرنی چاہئے ، ایک محقق کے بیان کے مطابق بہ حیثیت مجموعی دو سودس زبانوں میں پورے قرآن یا اس کے کچھ حصہ کا ترجمہ ہوچکا ہے ؛ لیکن یہ تعداد ہمیں بہت حقیر م

ہوتی ہے ، جب ہم دیکھتے کہ بائبل کا ترجمہ اٹھارہ سو زبانوں میں ہوچکا ہے ، یہ یقینا مسلمانوں

کے لئےایہ عُبرت ہے !

(ج) اس دور میں الکٹرانک ذرائع ابلاغ نے جس تیزی سے اپنے پَر پھیلائے ، وہ محتاج اظہار

نہیں ، اپنے کمرے کی تنہائی میں بیٹھ کر ایک شخص پوری دنیا تک اپنا پیغام پہنچاسکتا ہے ، انٹر نیٹ ،

الکٹرانک ذرائع ابلاغ اور ٹی وی چینل اس وقت تبلیغ کا نہایت مؤثر ذریعہ ہے ، باطل ادیان اور

مخالف اسلام عناصر ان طاقتوں کا بھرپور استعمال کررہے ، مگر اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے

ان وسائل کا استعمال نہایت معمولی سطح پر ہوتا ہے ، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ مختلف ملکوں اور علاقوں

کی زبانوں میں دعوتِ اسلام کی غرض سے چینل قائم کئے جائیں اور انھیں شریعت کے دائرہ میں

رہتے ہوئے دلچسپ اور پُرکشش بناکر پیش کیا جائے ، اگر مسلمان حکومتیں اور مسلمان اصحابِ ثروت

اس پر توجہ دیں ، تو یہ چنداں دشوار نہیں۔

(د) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں تیرہ سال گذارے اور اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد چند سو سے آگے نہیں بڑھ سکی ، صلح حدیبیہ کے موقع سے آپ ا کے ساتھ چودہ سو صحابہ ث تھے ، جس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی کل آبادی دو تا تین ہزار رہی ہوگی ، اس موقع پر قریش نے ہٹ دھرمی کا رویہ اختیار کیا اورآپ نے بہ ظاہر تنزل اختیار کرکے صلح فرمائی ، اس صلح کی وجہ سے مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان معتدل تعلقات قائم ہوئے اور ایک دوسرے کے یہاں آنا جانا شروع ہوا ، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صرف دو سال بعد سن آٹھ ہجری میں جب مکہ فتح ہوا ، تو مسلمانوں کا لشکر کم وبیش دس ہزار افراد پر مشتمل تھا اور اگلے دو سال میں یہ قافلہ بحربے کران بن گیا ، یہاں تک کہ حجۃ الوداع میں ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ ث آپ اکے ہم رکاب تھے۔

یہ اثر تھا دعوت اور اس کے لئے ماحول سازی کا ، دعوت کے نتیجہ خیز ہونے کے لئے یہ بھی

ضروری ہے کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان تعلقات میں ہم آہنگی ہو اور غیر مسلم ہماری

بات سننے کی طرف مائل ہوسکیں ، اگر ماحول میں ایسی نفرت ہوکہ ایک دوسرے کو دیکھنا بھی گوارا

نہ ہو ، تو ظاہر ہے دعوت نتیجہ خیز نہیں ہوپائے گی ، اس لئے پوری دنیا میں مسلمانوں کو کوشش

کرنی چاہئے کہ مقامی غیر مسلم آبادی سے ان کے تعلقات معتدل ہو ، انسانی اُخوت کے جذبہ کو

اُبھارا جائے اور بہتر سلوک کے ذریعے غیر مسلم بھائیوں کے دلوں کو جیتا جائے کہ اس کے بغیر

دعوتِ دین کی جدوجہد سنگلاخ زمین میں بیج بونے کے مترادف ہوگی۔

☆☆☆☆